کشمیر کا گاندھی

یعنی

سوانح حیات شیخ محمد عبداللہ با تصویر

از قلم گوہر رقم

جناب پنڈت پریم ناتھ بزاز

1936

ملنے کا پتہ

دی کشمیر پبلشنگ کمپنی سرینگر کشمیر

کشمیر کا گاندھی

یعنی

باتصویر سوانح حیات شیخ محمد عبداللہ

از قلم گوہر رقم

جناب پنڈت پریم ناتھ صاحب بزاز بی۔ اے

ملنے کا پتہ

دی کشمیر پبلشنگ کمپنی سرینگر کشمیر

پہلا ایڈیشن

قیمت فی جلد ایک روپیہ

خطاب بہ شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ

مرحبا اے شیر مردِ با خدا شانِ وطن

مرحبا اے سمنِ نوجوانانِ وطن

مرحبا اے پیکرِ صداقت مرحبا

پاک دل آزاد مضمونِ طبیعت مرحبا

قطرہ قطرہ تیرے خم کا زندگی افروز ہے

تیرا وردی کشش حطِ دل لطف اندوز ہے

تیری ہر تحریک ہے لبریز تاثیرِ حیات

تیری ہر تدریس ہے تدریسِ تعمیرِ حیات

کر دیے بیدار تو نے خفتگانِ ملک و قوم

اپنی رحمت سے بڑھائی عزّ و شانِ ملک و قوم

تیری قربانی تیرا ایثار اک اعجاز ہے

ذات تیری بیگماں سرمایۂ صد ناز ہے

ترقی میں ہے طفل نوجوان پیر کا

فخر ہے تو سرزمینِ جموں و کشمیر کا

معنون

اُن لاکھوں مظلوم کشمیریوں کے نام پر جن کے لئے شیخ محمد عبداللہ نے اپنی عزیز ترین زندگی کو قربان کر رکھا ہے۔ میں اس ناچیز تحفہ کو معنون کرتا ہوں۔

(مصنف)

میری بدقسمتی اور مُلک کی بدقسمتی سے کئی جماعتیں ہماری تحریک کو غلط سمجھ رہی ہیں۔ حکومت سمجھتی ہے۔ کہ میں اِس کے خلاف ہوں۔ اور اُس کو درہم برہم کرنا چاہتا ہوں۔ ہندوؤں کا ایک حصّہ سمجھتا ہے۔ کہ میں اُن کی بنی بنائی عمارتِ زندگی کو گرانا چاہتا ہوں۔ اور مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی اِسی وہم میں مبتلا ہے۔ کہ میں اُن کے وقار و اِقتدار کو نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔ خدا گواہ .... اِن میں سے مجھے ایک بھی خواہش نہیں۔ مجھے صرف یہی تمنا ہے۔ کہ اِس مُلک کے ہر ایک باشندے کو خوش و خرم دیکھوں۔ اور اُنہیں انسانی درجہ دِلاؤں۔ اِس میں مذہب و ملّت کی کوئی تمیز نہیں۔

شیخ محمد عبداللہ

(اقتباس از تقریر بمقام سہیل ٹینگ اخبار حقیقت مورخہ جون ۱۹۳۴ء

تمہید

آج سے چار سال پیشتر کشمیر سیاسی طور مردہ تھا۔ صدیوں کی غلامی نے کشمیریوں کو اُن تمام عاداتِ بد کا شکار بنا رکھا تھا جو مغلوب قوموں میں پائی جاتی ہیں۔ شاید مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ بزدلی کا دوسرا نام کشمیری سمجھا جاتا تھا۔ غیر کشمیری جس حقارت کی نگاہ سے ہمیں دیکھتے تھے۔ اُس کے مشاہدہ سے ایک خوددار انسان کا دل چھلنی ہوا جاتا تھا لیکن ۱۹۳۱ء میں جو انقلاب عظیم مُلک میں بپا ہُوا۔ اور اُس کشمکش میں کشمیریوں نے حکومتِ وقت سے اپنے مطالبات کو پُورا کرانے اور شکایات و ارتجاعات کو دُور کرانے کے لئے جس بہادری اور قربانی کا ثبوت دیا۔ اِس سے نہ صرف کشمیری قوم بیدار ہوگئی۔ بلکہ غیر کشمیری اقوام کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی مثالیں بھی بہم ہوئیں۔ یہ حقیقت اب دُنیا پر کھُل گئی ہے۔ کہ کشمیری جن کی دماغی اور ذہنی قابلیت کا لوہا زمانہ سلف میں مہذب قومیں مان چکی تھیں۔ اور جن کے چند نامور سپوت اِس وقت بھی برطانوی ہند کے آسمانِ سیاسیات پر درخشندہ ستارے بن کر چمکتے ہیں۔ جب مادرِ وطن کو آزاد کرنے اور اپنے پیدائشی حقوق حاصل کرنے کے لئے۔ میدانِ عمل میں کود پڑے۔ تو اپنا مال و دولت بلکہ زندگی تک قربان کرنے سے نہ ہچکچائے۔

یوں تو ہر ایک تحریک کی کامیابی کا انحصار رہنما کی قابلیت پر ہُوا کرتا ہے۔ لیکن صدیوں سے ایک خفتہ قوم کو چند مہینوں کے اندر بیدار کرنا اور بہادروں کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا کسی معمولی قائد کا کام نہیں۔ بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کر کے مردہ

نوجوانوں میں روح پھونک دینا۔ اور پھر انہیں قوم کے لیئے جان عزیز قربان کرانے کے لیئے تیار کرنا یہ صرف شیخ محمد عبداللہ کا ہی کام ہے۔ اگر آج کشمیری "ہتو" بھی اپنی گردن کو اوپر اُٹھا کر وطن کے اندر اور اس کے باہر چل سکتا ہے۔ تو یہ اُس ایثار مجسمہ فرشتہ خصلت نوجوان کی اَن تھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جس کی عمر ابھی ملتیں سال بھی مکمل نہ ہوئی ہے۔

یقیناً شیخ محمد عبداللہ نے اِس چھوٹی عمر میں جو کر دکھایا کسی کشمیری نے نہیں کیا ہے۔ لیکن آپ کے برخلاف پروپیگنڈا بھی بہت ہوا۔ اگرچہ یہ کتاب اِس پروپیگنڈا کا جواب دینے کی نیت سے نہیں لکھی جا رہی ہے۔ لیکن مجھے امید ہے۔ کہ میری یہ ناچیز کوشش ایسے مکروہ پروپیگنڈا کے اثراتِ بد کو زائل کرنے کا بھی کما حقہ کام دیگی۔ شمالی ہندوستان کے وہ لوگ جن کو سیاسی تحریکوں کا کچھ بھی علم ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کے نام سے واقف ہیں۔ کشمیر کا بچہ بچہ عورت اور مرد ہندو و مسلمان آپ کے نام سے پوری طرح آشنا ہیں۔ نوجوانوں کے تو آپ آدرش ہیں۔ وہ قوم زندہ نہیں۔ جو اپنے ایسے قائد اعظم کی زندگی کے صحیح حالات سے واقف نہ ہو۔ اِسی غرض کو مدنظر رکھ کر میں نے واقعات کی جا بجا پڑتال کے بعد یہ کتاب حوالۂ قلم کر دی ہے۔

اگرچہ شیخ محمد عبداللہ کی سوانح حیات اور تحریک کشمیر کی تاریخ کو الگ کرنا مشکل ہے۔ لیکن اِس کتاب میں کوشش ہی کی گئی ہے۔ کہ تحریک کشمیر کا وہی حصہ معرض تحریر میں لایا جاوے۔ جن کا بالواسطہ اُن کے ساتھ تعلق ہو۔ تحریک کشمیر کے متعلق مفصل طور پر میں ایک علیحدہ کتاب لکھ رہا ہوں۔ جو مکمل ہونے پر شائع ہو گی:

شیخ محمد عبداللہ کی شخصیت سیاسیاتِ کشمیر میں وہی درجہ رکھتی ہے جو برطانوی
ہند کے پالٹیکس میں مہاتما گاندھی کی۔ چاہے کوئی رہنما انڈین نیشنل کانگریس
کا صدر ہو۔ مہاتما گاندھی اِس کے روح رواں ہیں۔ اِسی طرح حکومتِ کشمیر اور
کشمیری جانتے ہیں۔ کہ اگرچہ سیاسیات کشمیر کی رہنمائی کرنے کے لیئے آئینی طور
کوئی ہی خادم ملک مقرر کیوں نہ کیا جائے۔ مُلک کے پالٹکس کی باگ ڈور شیر کشمیر
کے ہاتھ میں ہی ہے۔ اور قوم اُنہی کے اشارہ پر ناچنا چاہتی ہے شیخ محمد عبداللہ
کشمیری جمہور کے دلوں کے اُسی طرح مالک ہیں جسطرح مہاتما گاندھی ہندوستان
کے۔ غرضیکہ کسی پہلو سے دیکھا جائے تو شیخ محمد عبداللہ اور مہاتما گاندھی میں
مجھے نسبت دکھائی دیتی ہے۔ چونکہ شیخ صاحب نے اسی مطالبہ کا ایک اعلان
بھی کر دیا ہے۔ کہ وہ کشمیر میں کانگریس کے اصولوں پر ملکی اور قومی تحریک کو
چلانے کے زبردست خواہشمند ہیں۔ اور جیسا کہ اِس کتب کے مطالعہ سے
ظاہر ہو گا۔ وہ ابتدا سے ہی قوم پرستی کے حامی اور کانگریس خیالات کے بھگت
رہ چکے ہیں۔ اس لیئے میں نے اِس کتاب کا نام **کشمیر کا گاندھی** رکھ
دیا ہے۔

میں اپنی انتہائی خوش نصیبی سمجھونگا۔ اگر میری اِس ناچیز کوشش سے
نوجوانانِ وطن دیکھ سکینگے۔ کہ کسطرح ایک بے دست و پا غریب نامعلوم اور ناچیز
ہستی صدیوں سے دبائی ہوئی ایک قوم کو مظلومیت کا شکار ہونے سے بچا
کر شاہراہ ترقی پر لا سکتی ہے بشرطیکہ اُس کے دل میں ہمت ہو۔ قومی درد
کی تڑپ ہو۔

میں اپنے عزیز دوست پنڈت بلدیو پرشاد جی شرما۔ بی۔ اے ایڈیٹر

کشمیر ٹائمز کا بہت بڑا مشکور ہوں۔ کہ انہوں نے مجھے اس کتاب کے لکھنے میں مختلف جرائد کے ایسے درجنوں مضامین بہم پہنچائے۔ جو تحریک کشمیر کے دوران میں اس کے متعلق شائع ہوئے تھے۔ مولانا محمد سعید صاحب مولوی فاضل نے اس کتاب کے مسودہ کا مطالعہ کرکے مجھے زیر بار کر دیا ہے۔

مورخہ یکم جون ۱۹۳۵ء

پریم ناتھ ۔ بزاز

تحریک حریت کشمیر کے غداراں :-

فہرست غداران بار اول :-

(1) مفتی شریف الدین
(2) مرزا غلام مصطفیٰ
(3) منشی اسد اللہ وکیل
(4) خواجہ عبدالرحیم بانڈے

غداران بار دوم

(1) منشی شہاب الدین
(2) خواجہ سعد الدین شال
(3) خواجہ غلام احمد اشائی
(4) میر واعظ مولانا محمد یوسف

قطعہ تاریخ ابتدائے تحریک حریت کشمیر = ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء

"غدر قوم" = ۱۳۵۰ھ = (۱۹۳۱ء)

قطعہ تاریخ علیحدگی چند غدار از تحریک حریت

"غدار قوم" = ۱۳۵۱ھ = (۱۹۳۳ء)

ابتدائی زندگی کے حالات

سرینگر سے پانچ میل کے فاصلے پر شمال کی طرف گاندربل کی سڑک پر ایک گاؤں واقع ہے جس کا نام سودرہ ہے۔ اس گاؤں کی خوبصورتی اور اہمیت اس وجہ سے بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ یہ جھیل آنچار کے کنارے پر واقع ہے۔ اور ہندو یاتری جو کھیر بھوانی کے درشن کے لئے تولہ مولہ پیدل جاتے ہیں۔ اسی جگہ سے کشتی میں بیٹھ کر آنچار کے پار اُترتے ہیں۔ سودرہ کی آبادی کلیتاً مسلمانوں کی ہے۔ جن کا پیشہ مزدوری یا نوکری ہے۔ سودرہ کے پاس ہی سڑک کی دوسری جانب وچار ناگ کا ایک اور گاؤں ہے۔ جس میں کئی کشمیری پنڈت بھی آباد ہیں۔ اسجگہ مندروں کا ایک استھاپن ہے۔ چند سال سے وچار ناگ اور سودرہ دونوں سرینگر میونسپلٹی کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔

سودرہ میں ایک متوسط الحال گھرانے کے اندر ۱۵ دسمبر ۱۹۰۵ء[1] کے روز شیخ محمد عبداللہ پیدا ہوا۔ آپ کے باپ کا نام شیخ محمد ابراہیم تھا۔ اور وہ آپ کی پیدائش سے ۱۵ روز پیشتر ہی اس عالم فانی سے چل بسے تھے۔

آپ کے آبا و اجداد کا پیشہ تجارت ہی چلا آتا تھا۔ اور شیخ محمد ابراہیم بھی پشمینہ کی سوداگری کا کام ہی عمر بھر کرتے رہے۔ آپ خدا دوست تھے۔ اور عموماً اپنی کمائی کا ایک نمایاں حصہ خیرات میں خرچ کیا کرتے۔ پیر دل۔ فقیر دل۔ اور سادھوؤں کی صحبت میں رہ کر یادِ خدا کرنا آپ اپنا فرض اولیں سمجھتے تھے۔ اپنی زندگی کا مقصد آپ نے غریبوں اور تنگدستوں کی دستگیری اور خدمت میں خرچ کرنا سمجھ رکھا تھا۔ آپ صوفی طبیعت کے آدمی تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کی طبیعت کے اندر جو زاہدانہ عنصر موجود ہے۔ وہ اُسکے والد سے اُن کو حاصل ہوا ہے۔

[1] اس تاریخ کے صحیح ہونے میں شک ہے

باپ کی اس بے وقت وفات کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ کی پرورش کا بار اُس کی ماں پر ہی پڑا۔ اُنہوں نے بھی اس ذمہ واری کو بوجہ احسن پورا کر دیا۔ اور جب تک وہ زندہ رہیں شیخ محمد عبداللہ کی تعلیم و تربیت۔ اُن کے اخلاق۔ اور اُنکی جسمانی صحت کی نگرانی کرتی رہیں۔ اُن کے پاس جس قدر دُنیاوی دولت تھی۔ وہ اپنے بیٹے پر خرچ کر دی۔ یوں تو ہر ایک ماں ہمدرد اور شفیق ہُوا کرتی ہے۔ لیکن عقلمند مائیں دنیا میں بہت کم ملتی ہیں باپ کے انتقال کے بعد اگر شیخ محمد عبداللہ کی پرورش کرنے کے لئے اُن کی ماں نہ ہوتی۔ تو بعید اغلب تھا۔ آج شیخ محمد عبداللہ کا نام سوائے چند ایک افراد کے کسی کو پتہ نہ ہوتا۔ اپنی ماں سے شیخ محمد عبداللہ نے مصیبت کے وقت بھی مایوس نہ ہونا۔ اپنے رفیق پر بھروسہ رکھنا۔ جتنا بھی ہو سکے تعلیم حاصل کرتے جانا۔ طبیعت پر ہر حالت میں قابو پانا۔ اور دیگر ہر قسم کے وہ اوصاف جن کی بدولت ایک معمولی آدمی رہنمائی کے قابل بن سکتا ہے۔ حاصل کئے۔

شیخ محمد ابراہیم نے پہلی بیوی کے فوت ہونے پر دوسری شادی کی تھی۔ پہلی بیوی سے اُن کے تین لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ شیخ محمد خلیل۔ شیخ عبدالکبیر شیخ عبدالغفار۔ دوسری بیوی سے شیخ محمد مقبول۔ شیخ غلام محی الدین اور شیخ محمد عبداللہ اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ سب بھائیوں سے چھوٹا تھا۔ شیخ محمد مقبول ملازمت سرکار میں ٹیکنیکل سکول میں ماسٹر ہیں۔ باقی بھائی اپنے آبائی پیشہ پشمینہ کی تجارت کو چلا رہے ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ بچپن سے ہی ذہین اور خوددار لڑکا معلوم ہوتا تھا۔ وہ ہر ایک بات کی تہ تک جانے کے لئے اپنی والدہ اور بھائیوں سے بار بار پوچھا

کرتا۔ اور جب تک اُس کی تسکین نہ ہوتی چپ نہ کرتا۔ دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے وہ کبھی دغا یا جھوٹ کو استعمال کرنے سے نفرت کیا کرتا تھا۔ اگرچہ بزرگوں کی اطاعت کرنا ابتدا سے ہی اِس کا شیوہ تھا لیکن جب کبھی دیکھا کرتا کہ کسی شخص نے اپنی بزرگی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ تو اُس کے خلاف پروٹسٹ کرتا۔ اور اگر ضرورت پڑتی تو صاف جواب دے دیتا تھا۔ اِن اوصاف کو مدنظر رکھ کر آپ کے رشتہ دار اور ہر ایک آدمی شیخ محمد عبداللہ کی ماں کو کہا کرتے۔ کہ لڑکے کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے جلدی کسی مدرسہ میں داخل کر دیا جاوے سورہ میں کوئی سرکاری یا غیر سرکاری سکول موجود نہ تھا۔ نہ ہی کوئی پرائیوٹ مکتب تھا۔ اِس لئے جب شیخ محمد عبداللہ ، سات سال کا ہوا۔ تو آپ کو والدہ کی ہدایت کے مطابق آپ کو نزدیک ہی نوشہرہ کے پرائمری اسلامیہ سکول میں داخل کر دیا گیا۔ اگرچہ سرکاری پرائمری سکول وچار ناگ سورہ کے نزدیک ہی تھا۔ لیکن آپ کی والدہ نے آپکو نوشہرہ کے سکول میں داخل کرنا بہترین سمجھا۔ کیونکہ وہ قومی سکول تھا۔ اور اُن کا خیال تھا۔ کہ وہاں چھوٹے شیخ محمد عبداللہ کے قومی اور ملی خیالات کو قوت حاصل ہوگی، اور آپ کے دل میں ملک کی خدمت کو زندگی کا مقصد سمجھنے کا خیال جاگزیں ہوگا۔ لیکن افسوس تین سال کے تجربہ نے یہ بات غلط ثابت کر دی۔ اور جب ابھی محمد عبداللہ چوتھی جماعت میں داخل ہی ہوا تھا۔ اُن کو سرٹیفکیٹ حاصل کر کے وچار ناگ سرکاری سکول میں داخل ہونا پڑا۔ سارٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے بھی جن دقتوں کا اُس کو مقابلہ کرنا پڑا۔ اُن کے تلخ تجربات اُن کو مجبور کیا۔ کہ جب وہ پرائمری کا امتحان پاس کر کے ۱۹۱۷ء اسلامیہ ہائی سکول

میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ تو وہ بادلِ ناخواستہ سٹیٹ ہائی سکول (اب گورنمنٹ ہائی سکول فتح کدل) میں داخل ہوا۔ سٹیٹ ہائی سکول میں شیخ محمد عبداللہ نے پانچ سال تعلیم پائی۔ اور سنہ ۱۹۲۲ء میں اُس نے اینٹرینس کا امتحان پاس کیا۔

ایامِ طالب علمی میں شیخ محمد عبداللہ نے کوئی خاص قابلیت نہ دکھائی۔ جو اِس کی اِس شاندار پبلک لائف کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی۔ اُس نے تعلیم حاصل کرنے میں کوئی غیر معمولی ذہانت دکھائی۔ لیکن اُس کے اُستاد اُس کی صاف گوئی اور راست بازی سے نہایت ہی خوش ہوتے تھے۔ وہ کبھی لاگ لپیٹ کی کوئی بات نہ کیا کرتا۔ اگر کبھی غلطی کر جاتا۔ تو اُس کے تسلیم کرنے میں اُس کو کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوتی۔ اپنے ہم جماعتوں میں شیخ محمد عبداللہ ہر دلعزیز تھا۔ اُستاد اُس کی شرافت سے بہت متاثر ہوتے اور اِس پر کامل اعتبار رکھتے آج کل بھی شیخ محمد عبداللہ کے اُستاد بتاتے ہیں۔ کہ وہ اوصاف جن کی بدولت وہ ملک کے تمام طبقہ جات میں ہر دلعزیز سمجھا جاتا ہے۔ ایامِ طفولیت اور طالب علمی میں ہی اُس کے اندر پائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ سٹیٹ ہائی سکول میں کسی اُستاد نے آپ کو بلا وجہ لاٹھی شانہ پر ماردی۔ آپ نے اِس پر سخت پروٹسٹ کیا۔ اور غصہ میں آکر اُستاد کو بُرا بھلا کہا۔ معاملہ ہیڈ ماسٹر تک پہنچ گیا۔ اُنہوں نے یہ تسلیم کیا کہ ماسٹر نے غلطی کی ہے۔ لیکن آپ سے پوچھا گیا۔ کہ اُستاد کو بُرا بھلا کہنا قابلِ اعتراض ہے اِس لئے آپ ماسٹر سے معافی مانگیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے جھٹ پٹ اپنی غلطی تسلیم کرلی۔ اور بتایا کہ اُستاد کی پوزیشن نہایت ہی قابلِ احترام ہے۔ وہ شاگرد واقعی نہایت بدبخت ہے۔ جو اپنے اُستاد کی تعظیم کرنا نہ جانتا ہو۔ لیکن اُستاد کو بھی اپنے شاگرد کی خودداری کی سپرٹ کا پاس کرنا لازمی ہے۔

سٹیٹ ہائی سکول سے انٹرنس پاس کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ سری پرتاپ کالج میں داخل ہوا۔ آپ نے فسٹ مڈل سے ہی سائینس لیا ہوا تھا۔ اِس لیئے آپ کو الیف۔ ایس سی لینا پڑا۔ لیکن آپ نے امتحان میں بمقابلہ دوسرے لڑکوں کے کم نمبر حاصل کیئے تھے۔ الیف۔ ایس سی میں داخل ہونے والے طلباء کی تعداد زیادہ ہونے اور کالج میں سائینس کے لیئے محدود نشستیں ہونے کی وجہ سے آپ کو الیف ایس سی کلاس میں داخل کرنے سے انکار کیا گیا۔ لیکن آپ کی الوالعزمانہ سپرٹ نے آپ کو محکمۂ تعلیم کے افسرانِ بالا کے دروازوں کو کھٹکھٹانے پر مجبور کیا جس کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ آپ الیف۔ ایس سی میں داخل ہوئے۔ سری پرتاب کالج میں بی۔ ایس سی کی تعلیم نہیں دی جاتی ہے۔ اِس لئے آپ کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کیلیے باہر جانا پڑا۔ آپ نے پہلے پرنس آف ویلز کالج جموں میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں نشستیں قریباً پر ہو چکی تھیں۔ ایک نشست تو خالی تھی لیکن وہ ایک غیر ریاستی افسر ریاست کے لڑکے کو دی گئی۔ آپ نے اس کیخلاف صدائے احتجاج بلند کردی۔ لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اِس لئے آپ کو لاہور جانا پڑا۔ وہاں آپ اسلامیہ کالج میں داخل ہوئے۔

بی۔ ایس سی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ کو لاہور میں دو سال ٹھہرنا پڑا۔ لاہور کی آزاد فضا کا اثر آپ پر بہت کچھ ہوا۔ آپ نے محسوس کر لیا۔ کہ کشمیری کس ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

لاہور میں اکثر سیاسی یا غیر سیاسی انجمنوں کے اجلاس ہوا کرتے تھے جن میں ملک کے بڑے بڑے لیڈر آکر تقریریں کیا کرتے تھے۔ اسلامیہ کالج میں

کشمیر کا گاندھی



شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ

بھی یہ رہنما طالب علموں کو اکثر اپنے خیالات اور ملک کی غلامی سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ آپ ان سب تقریروں کو بگوشِ ہوش سنتے۔ آپ دیکھتے تھے کہ پنجاب میں تقریر اور تحریر کی آزادی کے باوجود بھی لوگ اپنے آپ کو غلام سمجھتے ہیں لیکن کشمیری جن کو زبان ہلانے تک کی بھی اجازت نہ تھی۔ ایک بے بس قیدی کی سی زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن اُف تک نہیں کر سکتے۔ جو اپنی شکایات اور رنجیدگی کو زبان پر لانا خطرناک سمجھتے ہیں۔ کیسے زندگی کے دن گذار رہے ہیں۔ اگرچہ آپ کسی مجلس میں تقریر نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی اپنے ان اندرونی خیالات کو کسی پر ظاہر کرتے تھے۔ لیکن کبھی اپنے ہوسٹل کے کمرے میں چارپائی پر پڑے پڑے تنہائی کے لمحات میں اپنے وطنِ مالوف اور وہاں کے رہنے والوں کی طرزِ زندگی اور مظلومیت پر چار آنسو بہا دیتے تھے۔

سردیوں کے دنوں کشمیری کسانوں کو پنجاب کے بازاروں میں ذلت آمیز حالت میں مزدوری کرتے ہوئے دیکھ کر آپ کے دل پر جو گذرتی تھی۔ وہ اُن کی ہی زبانی سنیئے۔

موسم سرما میں میرے ہموطن کشمیری لاہور آتے۔ اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے۔ جب میں ان کو مٹی ڈھوتے اور بھاری شہتیر یا وزنی بوریاں اُٹھاتے دیکھتا۔ تو دل سے بے اختیار آہ نکل آتی میرا دل اُن غریب الوطنوں کی بیکسی۔ مفلسی اور مظلومیت پر آٹھ آٹھ آنسو روتا تھا اور ہر لحظہ دل سے یہی دعا نکلتی تھی۔ کہ اے غریبوں اور بیکسوں کے والی خدا۔ تو وہ دن لا۔ کہ میں مظلوم بھائیوں کو خوشی اور چین کی زندگی کرتے دیکھوں۔ اُن پر کوئی جابر ہاتھ ظلم برپا کرنے نہ اُٹھے۔ اور وہ

یوں بیکسی اور مظلومی کی حالت میں کشمیر جیسے خطہ بہشت کو چھوڑ کر پنجاب کے تالستاں میں جھلسنے نہ آئیں"۔

پنجاب میں کشمیری مزدور کو "ہتو" کہتے ہیں۔ ایک خوددار کشمیری پنجاب میں اپنے ہموطن مزدور کے ساتھ پنجابیوں کے نہایت ہی غیر مہذبانہ سلوک کو دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتا ہے۔ کبھی کبھی ہمدردی کے جذبے سے مغلوب ہو کر کئی تعلیمیافتہ کشمیریوں نے اس طریقے کو رد کرنے کے لئے جدوجہد بھی کی ہے۔ خوددار اور نوجوان محمد عبداللہ کے دل پر لاہور میں کشمیری مزدوروں کی حالت دیکھ کر کیا گذرتی تھی۔ اس کا حال ذیل کے اقتباس سے پایا جاتا ہے:-

"میں کشمیری تھا۔ اور میرے ہموطن بھائی پنجاب میں گدھوں سے زیادہ محنت کر کے پیٹ پالتے تھے۔ اُن کی وجہ سے میرے ہم جماعت دوست مجھ پر آواز سے کستے بعض طعنہ زنی کرتے اور مجھے ہنسی کے طور پر "ہتو" کہہ کر پکارتے۔ میں بے اختیار تھا۔ اور سوائے اپنے ہموطنوں کی مظلومیت پر خون کے آنسو بہانے کے اور کیا کر سکتا تھا۔ میرے پنجابی دوستوں کا مذاق مجھ پر بجلیاں گراتا تھا مجھے اپنے وطن عزیز سے اور زیادہ محبت ہو گئی۔ میں مظلوم تھا۔ اور مظلوم قوم کا فرد تھا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ ایک مظلوم کے لئے۔ اُسکا وطن ہی بہترین جائے پناہ ہے"

لاہور کی اس آزاد فضا کا اثر آپ کی قابلیت پر اپنا گہرا اثر پڑ گیا۔ کہ کچھ عرصہ میں آپ تعلیم سے منہ موڑ کر سیاسیات کی طرف لگ گئے۔ اگرچہ آپ ابھی بھی نہ تو تقریریں ہی کرتے تھے۔ نہ کسی انجمن کے کارکن رہ کر سیاسی سرگرمی میں حصہ ہی لیتے تھے لیکن آپ دن رات یہی سوچتے رہتے تھے۔ کہ کس طرح اپنے ہموطنوں کو موجودہ کس مپرسی کی حالت سے نکال دیا جا سکے۔ ایسا کرنے کے لئے آپ خاموشی

سے لاہور کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔ اس کا نتیجہ آپ کی تعلیم کے لئے اچھا نہ نکلا۔ اور آپ بی۔ ایس۔ سی کے امتحان میں کامیاب نہ ہوئے اس ناکامی پر آپ کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ زمانہ طالب علمی میں یہ پہلا موقع تھا جب آپ فیل ہو گئے۔ اس لئے آپ نے تہیہ کر لیا۔ کہ جو بھی ہو۔ دوسرے سال۔ بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کر لینا چاہیئے۔ الغرض ۱۹۲۷ء میں بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کرنے پر شیخ محمد عبداللہ کشمیر واپس آ گئے۔

ان دنوں حکومت کشمیر کی باگ ڈور سر البین بنرجی کے ہاتھوں میں تھی وہ سکالرشپ سلیکشن بورڈ کے صدر تھے۔ حکومت نے فیصلہ کر دیا تھا کہ تعلیمیافتہ طبقہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے۔ اور ملک میں بڑھتی ہوئی بے چینی کو روکنے کے لئے چند قابل نوجوانوں کو ہندوستان اور دیگر ممالک میں مختلف ملقجات میں ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے سرکاری خرچ پر روانہ کیا جائے اگرچہ سر البین نے حتے الوسع کوشش کی کہ انتخاب غیر جانبدارانہ ہو۔ اور امیدوار ہر حالت میں اچھے اور قابل دستیاب ہوں۔ لیکن پھر بھی رسوخ اور اثر نے کام کیا۔ مسلمان تعلیم میں اتنے آگے نہ تھے۔ جتنے ہندو۔ اس لئے وہ مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور ان کے بہت کم آدمی ٹریننگ کے لئے منتخب ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ نے بھی کسی وظیفہ کے حاصل کرنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کی طرف سے بہت واویلا کی۔ اور چند نوجوانوں کی معیت میں منسٹران ریاست کے دروازے بھی کھٹکھٹائے۔ اور ان پر زور دیا۔ کہ اگرچہ مسلمان تعلیم میں پیچھے ہیں۔ لیکن اکثریت میں ہونے کی وجہ

اُن کے حقوق نظرانداز نہیں کیا جا سکتے۔ اگر ایسا کیا گیا۔ تو ملک میں بدامنی اور بے چینی پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے۔ کیونکہ مسلم تعلیمیافتہ طبقہ حکومت کی اس بے رُخی سے بدظن ہو جائیگا۔ شیخ محمد عبداللہ کی اس تگ و دو کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ حکومت نے چند مسلم امیدواروں کو بھی مختلف ٹرنیگوں کے لئے امریکہ اور انگلینڈ روانہ کر دیا۔ خود شیخ محمد عبداللہ کسی وظیفہ کے حاصل کرنے سے محروم رہا جس سے اُن کو سخت مایوسی ہوئی۔ اُنہیں کیا معلوم تھا۔ کہ قدرت اُن کے لئے اور ہی ساز و سامان تیار کر رہی ہے۔ اگر اُن کو کوئی وظیفہ حاصل ہوا ہوتا تو آج وُہ بھی کسی دفتر کی کرسی کو زینت دیتے ہوتے۔ لیکن غریب کشمیری کی مظلومیت اور اُس کے درد کا کوئی درماں نہ ہوا ہوتا۔ اور جو شہرت و عزت شیخ محمد عبداللہ کو ملک کے طول و عرض میں حاصل ہے۔ وُہ انہیں کہاں حاصل ہوئی ہوتی۔ سچ ہے۔ قدرت کے سامان کسی کو معلوم نہیں ہوتے ایک سال تک آپ گھر میں ہی رہے جب آپ نے دیکھا۔ کہ اس طرح بیکار رہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر آپ کشمیر میں ہی رہے۔ تو آپ کو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے ہی رہنا پڑیگا۔ تو آپ ۱۹۲۵ء میں پھر بیرون کشمیر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے چلے گئے۔ اس دفعہ آپ لاہور نہ گئے۔ کیونکہ لاہور کے اسلامیہ کالج میں ایم ایس۔ سی نہیں پڑھایا جاتا تھا اور آپ کسی سرکاری کالج میں تعلیم حاصل کرنا نہ چاہتے تھے۔ بس آپ نے سیدھے علیگڑھ کا راستہ لیا۔ آپ کے دل میں اس قومی یونیورسٹی میں رہنے اور اس کی آزاد فضا میں نشو و نما پانے کی بہت مدت سے دھن لگی ہوئی تھی۔

آپ نے لاہور میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے اس درسگاہ کے متعلق قسم

قسم کی باتیں سُنی تھیں۔ اِس لیے آپ کا خیال تھا۔ کہ اگر مجھے پھر تعلیم کو جاری رکھنا پڑا۔ تو اِسی کالج میں پڑھونگا۔ اِس لئے آپ نے بغیر سوچ وچار کے علیگڑھ کالج کا رخ کیا۔

جیسی کہ آپ کو اُمید تھی۔ ویسا ہی ہُوا۔ علیگڑھ نے آپ کے نظریہ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اگرچہ سائینس اور اُس کے پریکٹیکل کرتے کرتے آپ کا تمام دن تعلیم میں ہی صرف ہوتا تھا۔ تاہم آپ نے اب قومی مسائل پر شد و مد سے مباحثہ کرنے کے لئے وقت نکالنا شروع کر دیا۔ حقیقتاً آپ کی سیاسی زندگی پہلے اِسی وقت سے شروع ہوتی ہے۔ اب کشمیر اور اہلِ کشمیر آپ کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ اور آپ شب و روز اِسی خیال میں مست رہتے تھے۔ کہ کب تعلیم سے فراغت حاصل ہو تاکہ اپنے وطن مالوف جا کر اپنے ہموطنوں کی خدمت کا کام شروع کر دیا جائے۔

سنہ ۱۹۲۸ء کے آخیر میں کلکتہ میں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس پنڈت موتی لال نہرو کی زیر صدارت منعقد ہُوا۔ اِس سے ہندوستانی سیاسیات نے ایک زبردست پلٹا کھایا۔ کیونکہ اِس میں مہاتما گاندھی کی امداد سے پنڈت موتی لال نے اپنے لاڈلے بیٹے پنڈت جواہر لال کی زیر کمان "مکمل آزادی" کا علم بلند کرنیوالوں کو شکست دی۔ اور ساتھ ہی حکومت کو چیلنج دے دیا۔ کہ اگر ایک سال کے اندر اندر ہندوستان کو درجۂ نوآبادیات نہیں دیا جاتا۔ تو سنہ ۱۹۲۹ء میں مکمل آزادی کا اعلان کر دیا جاوے گا۔

سنہ ۱۹۲۹ء ہندوستان کے پالیٹکس میں ایک پُرجوش سال رہا ہے اس لئے قومی یونیورسٹیوں پر بھی اِس جوش و خروش کا اثر پڑ گیا۔

علیگڑھ کالج میں اِس سال کے بعد دیگر مہاتما گاندھی۔ مسٹر جناح۔ مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی۔ ڈاکٹر کچلو حسن امام وغیرہ سرکردہ قومی رہنماؤں کی زبردست تقریریں ہوئیں۔ جن میں ہندوستان کی غلامی کا نقشہ اِس طرح کھینچا گیا۔ کہ سننے والے کا دل پاش پاش ہوا جاتا تھا۔ اِنسان ایک غٹ کے لئے بھول جاتا تھا۔ کہ اس کی زندگی کی بھی کوئی قیمت ہے۔ نوجوان محمد عبداللہ جن کی طبیعت پہلے ہی اس بات کے لئے تیار تھی۔ اس کا بھاری اثر ہوا۔ وہ اپنے وطن کی حالت پر غور کرتا۔ اور اُن تقاریر کو اپنی غلامی سے منسوب کیا کرتا وہ یہی کہتا تھا۔ کہ اگر ہندوستان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے۔ جو مہاتما گاندھی اور دیگر لیڈروں نے ہمیں سنایا۔ تو کشمیر کے متعلق کیا نہ کہا جائے۔ اِس لئے میں نے بے زبان کشمیریوں کے اخلاص کے لئے دعا کی۔ اور سچے دل سے یہ حلف اُٹھایا۔ کہ میں یا تو اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کو اِن سے نجات دلا دوں گا۔ یا خود بھی صیاد کے ظلم وستم کا شکار ہو جاؤں گا۔[۱]

۱۵ مارچ ۱۹۲۹ء کو سر ایلبنس بنرجی نے حکومت کشمیر کی ملازمت سے چند اختلافات کی بناپر استعیفیٰ دے دیا۔ آپ نے جاتے جاتے سیاسیات کشمیر کے متعلق اخبارات میں مندرجہ ذیل بیان شائع کروایا۔

ریاست جموں وکشمیر کئی نقصانات میں کام کر رہی ہے۔ اِس میں ایک بہت کثیر تعداد مسلم آبادی کی ہے۔ جو بالکل ناخواندہ ہیں۔ غریب اور بہت پست اقتصادی حالات کے درمیان گاؤں میں رہتے ہیں اور اُن پر بے زبان مویشیوں کی طرح حکومت کی جاتی ہے۔

حکومت اور عوام کے درمیان کوئی الحاق نہیں۔ کوئی مناسب

---

[۱] شیر کشمیر صفحہ ۱۳

موقعہ اپنی شکایات پیش کرنے کا اُن کو نہیں دیا جاتا ۔ اور حکومت کی مشینری کو اُوپر سے نیچے تک صاف کرنے کی ضرورت ہے ۔ تاکہ اُس کو موجودہ دُنیا کے حالات کے مطابق قابل بنایا جا سکے ۔ اس وقت اُسکو لوگوں کی شکایات اور خواہشات کے ساتھ تھوڑی یا بالکل کچھ بھی ہمدردی نہیں ۔

ملک کا ذہنی طبقہ جس کا نمائندہ کشمیری پنڈت فرقہ ہے ۔ ایک صورت میں دبایا ہوا طبقہ ہے کیونکہ اُن کو بھی ملازمتِ سرکار میں نمایاں ہونے کا موقعہ دیا جاتا ہے ۔ اور نہ ہی کسی دوسرے فائدہ مند طریقے پر مثلاً کارخانہ جات ۔ تجارت میں استعمال کیا جاتا ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ۔ کہ وہ بھی بدظن ہیں ۔ اور ایک مسئلہ بنے ہوئے ہیں جس کو ہوشیاری سے حل کیا جانا چاہیئے ۔

ریاست میں مشکل سے کوئی پریس ہے ۔ پریس بھی عملاً ناموجود ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے ۔ کہ حکومت کو وہ فایدہ نہیں ہوتا ۔ جو ایک جائز نکتہ چینی سے ہو سکتا ہے ریاست کی سیاسی حیثیت کئی وجوہات سے اور خاصکر جغرافیکل پوزیشن کی وجہ سے معمولی طور پر ہندوستان کیلئے نہایت اہم ہے ۔ کیونکہ یہ تین سلطنتوں کی حدود پر واقع ہے ۔ لیکن یہ تب تک اس ترقی تک نہیں پہنچ سکتی اور ان طاقتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی ۔ جو قدرت نے اِسکو عطا کر دی ہیں جب تک حکومت اور رعایا کے درمیان زیادہ تعاون نہ ہو ۔ اور جب تک برطانوی حکومت بھی اِس کے جائز مطالبات پر غور کر کے اِس کو اُس حد تک اندرونی معاملات میں آزادی عطا نہ کرے جس حد تک دوسری کم حیثیت اور مالیت کی ریاستوں کو حاصل ہیں ۔

لوگوں کی پست اقتصادی حالت اُن تمام برائیوں کے لئے ذمہ دار ہے

جو آجکل وہاں موجود ہیں۔ اور جن کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے حکومت مؤثر
قدم اٹھا رہی ہے۔ لیکن اگرچہ مہاراجہ کی حکومت کے یہ اچھے سوچے ہوئے سکیم
ان برائیوں کو ہٹانے کیلئے کچھ اثر رکھتے ہیں۔ لیکن یہ قطعاً ان برائیوں کو بیخ و
بن سے اکھاڑنے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک لوگوں کی
اقتصادی زندگی کو ذرا اونچا کر دیا جائے۔

"گاؤں میں لوگوں کی اقتصادی زندگی اتنی پست ہے جتنی کہ ہو سکتی ہے
کشمیری کاریگر اپنی اعلیٰ درجہ کی کاریگری کے لئے دنیا کے ہر حصے میں مشہور
ہے۔ لیکن بدقسمتی سے گذشتہ چند سال کے درمیان اس کی کاریگری آہستہ آہستہ
رو بہ تنزل ہو رہی ہے۔ اس لئے حکومت کو اس کی امداد کے لئے کچھ کرنا چاہیئے
جس طرح کہ میسور میں کیا گیا ہے"۔ [1]

سر ایلبین نے بتایا۔ کہ اس نے لوگوں کو حد درجہ کے جواب دہ اور سمجھدار
کارکن پایا ہے۔ اگرچہ عوام ابھی بہت پیچھے ہیں۔ اس اخباری بیان کے شائع ہونے
سے ریاست کشمیر کے اندر اور باہر ان تمام حلقوں میں جو سیاسیات کشمیر میں دلچسپی
لیتے تھے۔ ایک سنسنی پیدا ہو گئی۔ اخبارات میں زبردست مقالات اور مضامین
شائع ہونے شروع ہو گئے۔ کشمیری پنڈت اور مسلمان اس بیان کو حرف بحرف
صحیح قرار دیکر اپنی شکایات اور رنجشات کو بیرون [illegible] ریاست کے اخبارات میں
دھڑا دھڑ شائع کرنے لگے۔ لیکن دیگر فرقہ جات نے ان کی مخالفت کی حکومت
کے اراکین نے بہت کوشش کی۔ کہ سر ایلبین بنرجی کے الزامات کو پروپیگنڈے
کے ذریعہ دبایا جاوے۔ اور ایسا کرنے کے لئے انہوں نے آغا سعید حسین کو جو
ان دنوں وزیر داخلہ کا قلمدان سنبھال رہے تھے۔ اور وزارت میں اکلوتے کشمیری

[1] ٹریبون لاہور مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۲۹ء

کشمیر تھے۔ جموں سے سرینگر روانہ کر دیا۔ تاکہ وہاں چھوٹے چھوٹے اجلاس منعقد کر کے عوام سے رائے حاصل کرے۔ کہ جو کچھ حکومت کشمیر کے خلاف اخبارات میں شائع کر دیا گیا ہے۔ سراسر غلط بے بنیاد اور لغو ہے۔

شیخ محمد عبداللہ پر بھی قدرتاً اس اہم اخباری بیان اور اس سلسلہ میں شائع شدہ مضامین کے مطالعہ سے زبردست اثر پڑا۔ اور اُن کے خیالات کو تقویت حاصل ہوئی۔ وہ سمجھنے لگے۔ کہ جو کچھ انہوں نے لاہور اور علیگڑھ میں اپنے عزیز وطن کے متعلق سمجھ رکھا تھا۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ آپ اسی نتیجہ پر پہنچے۔ کہ اگر حکومت کشمیر اور مدعیان انصاف کے سامنے کشمیریوں کے اصلی حالات پہنچ جائیں۔ تو شاید اس سے کوئی مفید مطلب برآمد ہو سکے۔ اسی لئے آغا سید حسین کی حرکت کو آپ نے ملک و قوم کے لئے نہایت ضرر رساں خیال کیا۔ اور اس کے نتائج بد کو رد کرنے کے لئے آپ نے علیگڑھ سے ہی اس کے خلاف آواز اٹھائی اور دنیا کو بتا دیا۔ کہ آغا سید حسین یا اس کی طرف سے مہیا کی ہوئی "رائے عامہ" کسی صورت میں بھی کشمیریوں کی حقیقی رائے نہیں ہو سکتی۔ اور اس پر بھروسہ کر کے حکومت کشمیر اپنے آپ کو رعایا ریاست کی بہی خواہ ثابت کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔

۱۹۲۹ء کے آخر میں لاہور میں جو کانگریس زیر صدارت پنڈت جواہر لال نہرو منعقد ہوئی۔ اس کا اثر جو ہندوستان کے پالٹیکس پر پڑا۔ وہ دنیا کو معلوم ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ پنڈت جی کی قیادت نے نوجوانان ہند کے دلوں میں ایک نئی روح ڈال دی۔ اور اُن کا خون حب وطن کے جوش محبت سے اُبلنے لگا۔ شیخ محمد عبداللہ نے دیکھا۔ کہ کانگریس کی فتح میں وطن کے مظلوم اور مفلوک الحال کشمیریوں کی فتح ہے۔ اگرچہ وہ خود کانگریس میں شامل نہ ہو سکے۔ لیکن انہوں نے اس کی صدا کو

زور سے سنا۔ اِس میں جادو کا اثر تھا۔ اب وہ بھی سوچنے لگے۔ کہ کونسا دن ہوگا۔ جب
آپ وطن مالوف لوٹ کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگ جائیں گے

۱۹۳۰ء کے اپریل کی آخیر پر آپ۔ ایم۔ ایس۔ سی کا امتحان دینے کے بعد کشمیر
واپس آئے۔ گھر ہی وہ آزاد فضا کہاں سے پیدا ہوتی۔ جس کے درمیان آپ نے
چند سال لاہور اور علیگڑھ میں پرورش پائی تھی۔ وطن پہنچتے ہی آپ نے اپنے دِل
پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی سعی کی۔ لیکن آپ کے دوستوں اور خویش و اقارب
کو ایسا کرنا منظور نہ ہوا۔ اُنہوں نے آپ کو سمجھایا۔ کہ اتنی تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد
آپ کو چاہیے۔ کہ تلاشِ روزگار کا فکر کریں۔ نہ کہ بے قاعدہ ایسے کام میں پڑ جائیں
جس میں نفع کے بجائے نقصان ہونے کا احتمال ہو۔ کشمیر کی سیاسی فضا اُن
دِنوں اتنی تنگ و تاریک تھی۔ کہ ہر ایک آدمی کو شیخ محمد عبداللہ کا پروگرام ضرر رساں
اور بیہودہ معلوم ہوتا تھا۔ پس جب آپ کو ایم۔ ایس۔ سی کے امتحان میں کامیابی
کی اطلاع ملی۔ تو آپ نے اپنے بزرگ بھائیوں کے حکم کی تعمیل میں ملازمتِ سرکار
کے لئے جستجو شروع کر دی۔ سب سے پہلے آپ پھر کسی سرکاری وظیفہ حاصل کرنے
کی کوشش میں مصروف ہوئے۔ سکالرشپ سلیکشن کے صدر مسٹر بی۔ کے دائی
تھے۔ آپ نے اُن سے ایک ملاقات کے دوران میں اپنی خواہش ظاہر کی۔ لیکن اُنہوں
نے کورا جواب دیا۔ آپ حکومت کی اِس بے رخی سے نہایت مایوس ہوئے۔ لیکن
اُس وقت نہ تو آپ کو معلوم تھا۔ نہ کار پردازانِ حکومت کو کہ قدرت نے آپ
اِن معمولی وظائف سے بہت زیادہ آپ کے لئے اپنے ذخیرہ میں جمع کر رکھا ہے
اور آپ کی عزت اِس سے سینکڑوں درجہ زیادہ ہوگی جس کے لئے آپ بن
رہے ہیں۔ کس کو معلوم تھا کہ وہی مسٹر وائلی جنہوں نے اِس بے دردی سے آپ

کی درخواست کو ٹھکرا دیا۔ صرف چند ماہ کے بعد آپ کی ملاقات کے لئے راہ دیکھتے تھک جائیں گے۔

عملی سیاسیات میں داخلہ

حکومت کشمیر نے اب دیکھ لیا تھا۔ کہ تعلیمیافتہ نوجوانوں کی تعداد روزبروز ترقی پر ہے۔ اور اب اُن کے سرکاری ملازمت میں لئے جانے کے بڑھتے ہوئے مطالبہ کو آسانی سے روکنا ناممکن تھا۔ اِس لئے اُنہوں نے قواعد وضوابط کے گورکھ دھندوں کو ایجاد کر کے اُن کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی سول سروس ایکزیمنیشن بورڈ نے ایک اعلان کے ذریعہ یہ بات مشتہر کر دی کہ آئندہ حکومت اعلیٰ اسامیوں کے لئے تحریری و زبانی مقابلہ کا امتحان لیا کرے گی جس میں امیدواروں کو باضابطہ کئی مضامین کا امتحان دینا پڑیگا۔ اِس کے علاوہ امیدوار کو مقابلہ میں بیٹھنے سے پہلے چند سرٹیفکیٹ اپنی درخواست کے ساتھ شامل کرنی ہونگی ایک سرٹیفکیٹ چیف میڈیکل آفیسر سے حاصل کی ہوئی ہونی چاہیئے۔ جو امیدوار کی اچھی صحت کے متعلق ہو۔ امیدوار کو پچاس روپیہ فیس بھی پہلے ہی ادا کرنی پڑیگی تھی۔ امیدوار کی عمر ۲۲ سال سے کم ہونی چاہیئے تھی۔ اُس کو اچھے خاندان کا ہونا چاہیئے تھا۔ اور اگر اُس کے خاندان میں کسی موقعہ پر کسی فرد کو لاگ والی بیماری نے حملہ کیا ہو۔ اُس کو امیدوار نہ لیا جا سکتا تھا۔ اِن تمام رکاوٹوں کے باوجود بھی حکومت کو اختیار تھا۔ کہ ساٹھ فیصدی تک وہ خود ملازم بھرتی کرتی۔ اور باقی مقابلہ میں کامیاب ہوئے امیدواروں کو لے سکتی تھی۔ عیاں تھا۔ کہ اُس

طریقہ سے غریب امیدوار کو اعلیٰ ملازمت ملنی نہایت دشوار تھی ۔ چہ جائیکہ وُہ کیسا ہی ذہین کیوں نہ ہو ۔ اور آسامی کے لئے قابل ۔

ہم اوپر دیکھ آئے ہیں ۔ کہ شیخ محمد عبداللہ نے کس آزاد فضا میں اپنی سیاسی زندگی کو پروردہ کیا تھا ۔ وُہ دیکھ چکے تھے ۔ کہ کشمیری بلا امتیز مذہب و ملت مظلومیت کا شکار ہو رہے ہیں ۔ اور ان پر جو ظلم و ستم ہو رہا تھا ۔ وُہ اِس لئے نہیں ہوتا ۔ کہ وُہ ہندو ہیں یا مسلمان ۔ بلکہ صرف اِس لئے کہ وُہ غلام ہیں ۔ اُن کو ہمیشہ یہی تمنا تھی ۔ کہ "اپنے وطن عزیز کو تمام دُنیا میں سر بلند دیکھوں ۔ میں فرقہ پرستی کو قوم و ملک کے لئے لعنت سمجھتا ہوں ۔ اور میں کبھی بھی فرقہ پرستی کا جرم معاف نہیں کر سکتا ۔"

لیکن ایک چالاک سیاست دان کی طرح شیخ محمد عبداللہ نے دیکھ لیا ۔ کہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت مُلک میں ابھی ایسی نہ تھی ۔ کہ غیر مُسلم کسی مسلمان نوجوان کی قیادت پر بھروسہ کر لیتی ۔ اور حکومت کے خلاف کِسی مظاہرہ میں شامل ہو جائیں ۔ اِس لئے باوجود اِس امر کے کہ وُہ ہندو مسلمان کی تفریق کے شدید ترین مخالف تھے ۔ اور اِس منافرت کو دِل سے نفرت کرتے تھے ۔ اُنہوں نے یہی مناسب سمجھا ۔ کہ مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا جائے ۔ اُن کو اپنی اکثریت کی طاقت کا احساس دِلا کر اپنے حقوق سے آگاہ کر دیا جائے اُنہوں نے سمجھ لیا ۔ کہ جب وُہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ۔ تو پھر دوسری غیر مسلم اقلیتوں کو ملکی خدمت کے لئے اپنے ساتھ ملانا آسان ہو جائیگا ۔ چند سال کے واقعات نے ثابت کر دیا ۔ کہ شیخ محمد عبداللہ کا یہ قیاس بہت حد تک صحیح تھا ۔

وظیفہ کے نہ ملنے پر مایوس ہو کر اب شیخ محمد عبداللہ کے لئے اِس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہ رہا ۔ کہ باوجود سرپرستوں کی مخالفت کے وُہ اپنے پروگرام کو عمل میں لائے اُنہوں نے اپنے بھائیوں سے اِس کے متعلق کوئی ذکر نہ کیا ۔ لیکن خفیہ طور پر چند

رفقار کی تلاش میں فکر مند رہے۔

فتح کدل سرینگر میں اُن دنوں میں ایک مُسلم ریڈنگ روم تھا جہاں چند نوجوان ہر روز اخبارات کے مطالعہ کے لئے جمع ہوتے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے اس ریڈنگ روم میں آمدورفت شروع کردی۔ اتفاق سے اسی سال اور بھی کئی گریجوٹ تعلیم حاصل کرکے روزگار کی تلاش میں مصروف تھے۔ وہ بھی اس ریڈنگ روم میں وقت کو گذارنے اور تبادلۂ خیالات کے لئے ایک مقررہ وقت پر جمع ہوتے تھے شیخ محمد عبداللہ کی اعلیٰ تعلیمی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے وہ تمام اُن کے عاشق اور گرویدہ بنے رفتہ رفتہ شیخ صاحب کو اس ریڈنگ روم پر اخلاقی قبضہ حاصل ہُوا۔ وہ صرف اسی تلاش میں مصروف تھے۔ کہ کوئی موقعہ ہاتھ آئے۔ تاکہ وُہ حکومت اور اس کے کارندوں سے برسرِ پیکار ہوں۔

سول سروس ریکروٹنگ بورڈ کے مندرجہ بالا تازہ اعلان نے یہ بہم پہنچایا۔ آپ نے اپنے دیگر تعلیمیافتہ نوجوانوں پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ یہ بات واضح کردی کہ حکومت کشمیر نے بورڈ کو اس مطلب کے لئے عالم وجود میں لایا ہے۔ کہ اُنہیں حکومت میں کسی قسم کا حصّہ نہ ملے۔ اس لئے جب تک اس کے بورڈ اور اُس کے شائع شدہ قواعد وضوابط کی شدید مخالفت نہیں کی جاتی۔ تعلیمیافتہ مُسلم نوجوانوں کو کافی نقصان اور ضرر پہنچنے کا احتمال ہے۔

"مسلم ریڈنگ روم کے ممبروں نے (جنمیں اب سب تعلیمیافتہ مسلم نوجوان شامل ہو گئے تھے)، میرے کہنے پر ان احکام کے خلاف آواز بلند کئے جانے پر غور و خوض کیا۔ اور ستمبر کے مہینہ میں ایک عرضداشت حکومت کو پیش کرنے کے لئے تیار کردی"

مہاراجہ بہادر اُن دنوں ریاست میں نہ تھے۔ وہ گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کی غرض سے ولائیت کو تشریف لے گئے تھے۔ اور ریاست کا نظم ونسق سمبھالنے اور دیگر اہم امور سلطنت کے لئے ایک کابینہ وزارت مقرر کر دی گئی تھی جس کے ممبران جنرل جنک سنگھ، مسٹر ویکفیلڈ اور مسٹر دتابل تھے۔ اِس لئے مسلم ریڈنگ روم کی عرضداشت اسی کابینہ وزارت کو پیش کر دی گئی۔

فتح کدل کا یہ ریڈنگ روم اب مسلم تعلیمیافتہ طبقہ میں کافی دلچسپی کا مرکز بن گیا تھا فتح کدل سے اِس کو اُٹھا کر مفتی جلال الدین صاحب کے مکان واقعہ دوکان نگیں کے پاس لیا گیا۔ سی۔ آئی۔ ڈی کے ملازمین کی نظر عنائیت بھی اِس کی طرف اب پڑ چکی تھی۔ اِس لئے حکام بھی ریڈنگ روم اور اُس کے ممبران سے نا آشنا نہ تھے۔ ہر روز اِس انجمن کی حرکات وسکنات سے افسران کو اطلاع دی جاتی تھی۔ اور اِس کے کارکنوں کو مشتبہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

اِن حالات میں جب سول سروس ریکروٹنگ بورڈ کے خلاف عرضداشت تیار کر دی گئی۔ ایک نوجوان گریجویٹ مسمی منشی غلام محمد بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے اِس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ غلام محمد منشی اسد اللہ ایڈوکیٹ کے بھانجے ہیں یعنی اسد اللہ کی یادداشت سے خواجہ سعدالدین شال اور خواجہ نور شاہ کی عرضداشت کا وہ قصہ جو اُنہوں نے آنجہانی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی طرز حکومت کے خلاف وائسرائے ہند کو پیش کی تھی بھول نہ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اُس عرضداشت کا نتیجہ دستخط کنندگان کے لئے کتنا ضرررساں اور نقصان دِہ ثابت ہُوا۔ اُس کو یاد تھا کہ خواجہ سعدالدین شال اِس بنا پر جلاوطن کئے گئے تھے۔ اور خواجہ نورشاہ کو نہ صرف ملازمت سے علیحدہ کیا گیا تھا۔ بلکہ اُن کی جاگیر بھی ضبط کر لی گئی تھی۔

وُہ عرضداشت کے نام سے لرزتا تھا۔ اِس لئے اُس نے اپنے نوجوان بھانجے کو اِس عرضداست پر دستخط کرنے سے روک لیا۔ اُس کو حکومت کے طبقوں میں کافی رسوخ تھا۔ اپنی سوسائیٹی میں اقتدار حاصل تھا۔ وُہ یہ نہ چاہتا تھا۔ کہ بلا وجہ نوجوان بھانجے کی غلطی سے یہ تمام کھو بیٹھے۔ اور مصیبت مول لے۔ ہر چند کہ شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقار نے منشی اسداللہ کو سمجھایا۔ کہ تال صاحب کی عرضداشت اور موجودہ عرضداشت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن آپ نے ایک نہ سنی۔ اور اِس طرح یہ عرضداست منشی غلام محمد کے دستخط کے سوا باقی تمام گریجویٹ مسلم نوجوانوں کے دستخط سے کابینہ وزارت کو پیش کردی گئی۔

چند روز گزر جانے پر کابینہ وزارت کے سیکرٹری ٹھاکر کرتار سنگھ کی طرف سے اِس عرضداشت کا جواب ملا۔ کہ ریڈنگ روم کی انجمن اپنا ایک وفد پیش کرے۔ جن کے ساتھ کابینہ وزارت کے ممبران گفت وشنید کریں گے۔ اِس جواب کے ملنے پر مقررہ تاریخ پر تعلیمیافتہ مسلمانوں کی طرف سے شیخ محمد عبداللہ اور مسٹر عبدالعزیز فاضلی شیرگڑھی میں کابینہ وزارت سے مقررہ تاریخ پر ملاقی ہوئے۔

یہ ملاقات نہایت ہی اہم تھی۔ اگر حکومتِ کشمیر کی کابینہ وزارت کے ارکان میں ذرہ بھر بھی سیاست بھدانی کا کوئی شعور موجود ہوتا۔ تو وُہ اُسی ملاقات میں اُن تمام فسادات کو روک سکتے تھے۔ جو اُس کے بعد ہی متواتر تین سال ہوتے رہے۔ اہالیان کشمیر اور مہاراجہ بہادر کو جن مصائب کے درمیان تین سال تک گذرنا پڑا۔ اُن کے بیج بھی کو اُسی ملاقات میں نیست و نابود کیا جا سکتا تھا لیکن اُس وقت کے وزرار ریاست نے اپنی کم عقلی اور ناتجربہ کاری کا ثبوت اِس طرح بہم پہنچایا۔ کہ اُنہوں نے وفد کو ایسا جواب دیا۔ جو کہ درجہ حوصلہ شکن

تھا۔ مسٹر ونگفیلڈ نے ایک گھنٹہ تک تقریر کی اور یہ دکھانے کی کوشش کی۔ کہ حکومت سول سروس ریکروٹنگ بورڈ کے بنانے اور اس کی آئین اور قواعد وضوابط کو اجرا کرنے میں حق بجانب تھی۔ اور اس کو صرف اس لئے معرض وجود میں لایا گیا۔ کہ تعلیمیافتہ طبقہ کے جائز حقوق کی حفاظت ہو سکے۔ مسٹر موصوف نے وہ تمام خدشات اور شبہات دور کرنے چاہیں۔ جو ریکروٹنگ بورڈ بنانے سے مسلمانوں کے دل میں پیدا ہوئے تھے۔ اور جن کو ارکان وفد اور اُن کے دوستوں نے اپنی عرضداشت میں درج کر دیا تھا۔ مسٹر بی کے وائیل نے شکایت کی۔ کہ مسلمان ناشکر گزار ہیں۔ کیونکہ اُس نے اُن کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے بجائے شکریہ ادا کرنے کے ہمیشہ شکایات کیں۔ وائیل صاحب نے چند تعلیمیافتہ نوجوانوں کے نام بھی بتلائے۔ جن کو انہوں نے بحیثیت ریاست اکونٹنٹ جنرل کے اپنی دفتر میں بھرتی کر لیا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ کہ ان حالات کے باوجود بھی کیوں مسلمانوں کو کوئی شکایت کا موقعہ مل جائے۔ جنرل جنک سنگھ نے زیادہ تر بانی دور قفار کی باتوں کی ہی حمایت کی ہ

ارکان کابینہ وزارت کی باتوں کو سننے کے بعد شیخ محمد عبداللہ کھڑے ہوئے اور اپنی عرضداشت میں درج شدہ شکایات کے حق میں ایک موثر اور پرزور تقریر کی۔ جہاں کہیں ضرورت پڑتی تھی۔ آپ اعداد وشمار پیش کرتے جاتے تھے جس کے متعلق آپنے کاغذات اپنے ساتھ لائے تھے۔ آپ نے منشیران ریاست کو تبا دیا۔

اگر آج تک حکومت کشمیر کے تمام شعبجات میں مڈل پاس اور انٹرنس پاس آدمی اعلیٰ عہدوں پر کام کر سکتے تھے۔ تو کیا وجہ ہے۔ اب جبکہ

مسلمان تعلیم میں ترقی حاصل کرتے جاتے ہیں۔ اُن کو ملازمتِ سرکار میں حصّہ لینے پر مزید نیو دھاندی کی جارہی ہیں۔ آج تک حکومت کے ذمہ وار افسران یہی سناتے رہے تھے کہ مسلمان تعلیمیافتہ نہیں تھے۔ اسی لئے اُن کو اعلےٰ اسامیاں نہیں دی جاتی تھیں لیکن اب جبکہ وہ کافی تعداد میں تعلیم حاصل کرکے آگے آرہے ہیں۔ اس کا کیا مطلب کہ سول سروس ریکروٹنگ بورڈ کو قایم کیا جاتا ہے۔ اُس کے ذریعہ امیدواروں کے لئے ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ کہ کوئی مسلمان درخواست نہ دے سکے۔ آخر مسلمان ریاست میں بہت بھاری اکثریت میں ہے۔ ریاست کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ جب تک وہ مطمئن نہیں رہ سکتا۔ حکومت کا کاروبار کیسے چلایا جاسکتا ہے۔ وہ کسی بیجا رعائت کی درخواست نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے جائز حقوق کا طلبگار ہے۔ میں آج آپ کے سامنے مسلمانانِ ریاست کی طرف سے نہایت مودبانہ گذارش کرتا ہوں۔ کہ اُن کے ساتھ انصاف کیجیئے۔ وہ اور کچھ نہیں چاہتے

شیخ محمد عبداللہ نے کابینہ وزارت کو تنبیہ بھی کیا۔ کہ اگر آپ نے کسی تاہل سے کام لیا۔ تو نتیجہ اچھا نہ نکلیگا۔ اور وہ مسلمان جو اِس وقت بے زبان بھیڑ بکریوں کی طرح معصومانہ انداز سے چل رہے ہیں۔ بیدار ہوکر برسرِ پیکار ہوں گے گو یہ تقریر مدلل۔ موثر اور ریچی پر صداقت تھی۔ لیکن اِس کا اثر مشیرانِ ریاست پر زیادہ نہ پڑا۔ اِسی طرح مسٹر عبدالعزیز فاضلی کی تقریر بھی بہرے کانوں پر ہی پڑی۔ شیخ محمد عبداللہ کی تنبیہ کو ارکانِ وزارت نے مخول اور ایک دل جلے نوجوان کی مایوسی کا تماشا نہ سمجھا۔ اور وہ اِس بے چینی اور اندر ہی اندر سلگتی ہوئی آگ کا اندازہ نہ لگا سکے۔ جو تعلیم یافتہ مسلم بیکاروں نے شہر میں خصوصاً اور قصبہ جات میں عموماً لگا رکھی تھی۔

اس ملاقات کے چند دن بعد محمد عبداللہ اور فاضل آغا سید حسین سے ملنے
گئے۔ وہاں اُنہوں نے اُس سے پوچھا۔ کہ آپ واحد کشمیری مسلمان وزیر ہیں
لیکن کیا وجہ ہے۔ کہ آپ کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کے ساتھ انصاف
نہیں ہوتا۔ اور اُن کو ملازمت سرکار میں لئے جانے پر مزید پابندیاں عائد کی
جاتی ہیں۔ تاکہ اُن کا بھرتی ہونا قریباً ناممکن ہو جائے۔ اِن دو نوجوانوں نے
آغا سید حسین کو چند کھری کھری باتیں سنائیں جن کو سن کر وہ قدرے سٹپٹایا۔
لیکن سوائے اِس کے کچھ جواب نہ دے سکا۔ کہ وہ بے بس تھا۔ اگرچہ
وہ ایک منسٹر تھا۔ لیکن اُس کے اختیارات اِس قدر وسیع نہ تھے جتنے کہ دیگر
اُن منسٹروں کے جو کابینہ وزارت کے ارکان تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی
اُن کی امداد نہ کر سکتا تھا۔ لیکن جہاں تک اُس کے اپنے محکمے کا تعلق تھا
وہ اُن کی شکایات سننے کو تیار تھا۔ دیگر معاملات میں وہ دخل انداز ہو نہیں
سکتا تھا۔ وہ بے دست و پا تھا۔ اُس کی کچھ پیش نہیں چل سکتی تھی۔ اِس
جواب نے تعلیمیافتہ مسلم نوجوانوں کی رہی سہی امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔

تعلیمیافتہ مسلم نوجوانوں میں اِس تمام واقعہ سے کھلبلی تو ضرور مچ گئی۔ لیکن اُن
کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ وہ نہ جانتے تھے۔ مایوسی انسان کے دل پر سخت صدمہ
پہنچاتی ہے۔ بسا اوقات اُس کو ہمت نہیں ہوتی۔ کہ وہ آگے قدم بڑھا سکے۔
ماسوائے چند تعلیمیافتہ مسلمان دوستوں کے شیخ محمد عبداللہ کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اُس
کے پاس دولت نہ تھی۔ خویش و اقارب چاہتے تھے۔ کہ وہ اِس بے فائدہ
کام سے چھٹکارا حاصل کرے۔ اپنے روزگار کی تلاش کرے۔ بلکہ بریت
پارٹی اِس مایوسی کو قدرتی سمجھتی تھی۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ دو چار دن تک

ہے۔ صحیح تھی۔ وہ بہت حد تک اس مایوسی کے خواہشمند تھے۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ کو اس نتیجے نے اپنے ارادے پر اور بھی مستقل بنا دیا۔ اُس نے خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کہ اگر ہم نے حکومت کے اس بیہودانہ جواب کو خاموشی سے برداشت کر لیا۔ تو ہماری قوم کا مستقبل نہایت ہی تاریک ہے۔ اور ہم بہت مُدت کے لئے حکومت کے آہنی پنجہ سے کچلے جائیں گے۔ لیکن اگر ہم نے اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور اپنے کاز کی سچائی کو مہذب دُنیا پر آشکارا کر دیا۔ تو ہمیں کچھ مدت کی جد وجہد کے بعد فتح نصیب ہونی یقینی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ہمیں بہت قربانی دینی پڑے گی۔ ہمیں سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑیگا۔ تکلیفات اٹھانی ہوں گی۔ لیکن کوئی کھویا ہوا حق حاصل کرنے کے لئے اِنسان کو اِن مصیبتوں کے دور سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اُس شخص کے زندہ رہنے سے کیا فائدہ جو یہ دیکھ کر بھی کہ اُس پر ظلم ہو رہا ہے۔ برداشت کر کے اپنی غلام زندگی بسر کرے۔ ایسے لوگ کروڑوں کی تعداد میں دُنیا میں آئے اور چلے گئے۔ لیکن قابلِ صد ستائش اُس بنی نوع کی زندگی ہے۔ جو چند سالوں کے لئے ہی زندہ کیوں نہ رہے۔ لیکن آزاد رہے۔ اور ناانصافی اور ظلم کے خلاف جنگ لڑتا ہوا مرے۔

اس تقریر کا اثر مُسلم ریڈنگ روم کے ممبران پر بہت پڑا۔ اور اُنہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو یقین دلایا۔ کہ وہ کسی بھی جد وجہد میں جو کہ وہ شروع کریں گے اُن کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ نہ تو شیخ محمد عبداللہ کو اور نہ اُن تمام ممبران کو یہ اُمید تھی۔ کہ جو کشمکش وہ شروع کرنے والے ہیں کشمیر میں عالمگیر بن جائیگی۔ اور دُنیا کے تمام حصوں میں اُس کی آواز سنائی دیگی

وُہ یہ بہت کم جانتے تھے۔ کہ سول سروس، ایکروسنگ گلمرڈ کے خلاف جو صدائے احتجاج بلند کی جارہی ہے۔ وُہ ایک ایسی تحریک عزیت کی ابتدا ہے۔ جو ریاست کے کونہ کونہ میں پھیل جائے گی۔ اور اگر آج تک کشمیر قدرتی مناظر کی وجہ سے اقوام عالم کی دلچسپی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اب سیاسی جد و جہد کی وجہ سے بھی روئے زمین پر رہنے والے تمام قوموں کی توجہ کا مرکز بن جائیگا۔ یہ نہ جانتے تھے بھی شیخ محمد عبداللہ نے اپنا پروگرام بنا لیا۔ اور یہی اُس کا سیاسی میدان میں کود پڑنے کا جواب بن گیا۔

ملازمت سرکار میں

ہر طرف سے مایوسی ہونے پر اب نوجوانوں کے پاس کون سا حربہ تھا۔ جسکو وہ استعمال کر سکتے تھے۔ ملک میں پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی مفقود تھی۔ کوئی شخص کسی شکایت کو زبان پر نہ لا سکتا تھا۔ کوئی پرچہ شایع نہ کر سکتا تھا پوسٹر لگانا بھی حکومت کی نظروں میں ایک بھاری گناہ قرار دیا جاتا تھا۔ بیرون ریاست کے کئی اخباروں کا داخلہ بھی پہلے ہی حکومت نے ممنوع قرار دیا تھا۔ اِن میں مشہور مسلم اخبارات سیاست اور مسلم اوٹ لک بھی تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے سمجھا۔ کہ اگر اُنہیں حکومت کے احکام کے خلاف آواز اٹھانی ہے۔ تو اُنہیں بیرون ریاست کے پریس کی امداد حاصل کرنی چاہیئے۔ اِس لئے اُنہوں نے اپنی شکایات اخبار انقلاب کے کالموں میں شایع کروانی شروع کر دیں۔ اب یہ شکایات سول سروس ریکروٹنگ بورڈ کے آئین اور ضوابط و قواعد کی مخالفت تک ہی محدود نہ تھیں۔ بلکہ اِن کا دایرہ روز بروز وسیع ہونے لگا۔ اِن میں مسلم رعایا ریاست کی تمام شکائتیں درج ہونے لگیں۔ اعداد و شمار دستیاب کئے جاتے تھے۔ اور اُن کی بنا پر یہ دکھانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ کہ کس طرح مسلمانوں کے ساتھ ریاست میں ہر طرح سے ظلم ہو رہا ہے۔ کابینہ وزارت کے معزز ارکان اور دیگر افسران ریاست پر آوازہ طور جملے ہوتے تھے۔ اُن کی جانبداری اور بعض اوقات نا قابلیت

پر دھڑا دھڑ مضامین شائع ہو رہے تھے۔ جب حکومت نے دیکھا۔ کہ یہ سلسلہ بہت لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس کا بند ہونا بھی کسی طرح نزدیک دکھائی نہیں دیتا۔ تو بجائے اس کے کہ ان مضامین کی بنا پر مسلمانوں کے چند جائز اور ماڈریٹ مطالبات ہی منظور کر کے مسلمانوں کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کر دیا جاتا۔ حکومت نے "انقلاب" کا داخلہ ہی ریاست میں ممنوع قرار دیا۔ "انقلاب" مسلمانوں کا واحد روزنامہ تھا جس کا داخلہ اُس وقت کھلا تھا۔ حکومت نے یہ کارروائی کی اور پھر خاموش رہی۔ مسلمانوں کے تالیف قلوب کے لئے کوئی موثر قدم نہ اٹھایا گیا اس نے تعلیمیافتہ نوجوانوں کے جلتے ہوئے دلوں پر تیل کا کام کیا۔

کشمیر میں یہ ہو رہا تھا۔ تو جموں میں بھی ینگ مینز مسلم ایسو سی ایشن نامی ایک انجمن نے اس قسم کی ایک تحریک شروع کر دی تھی۔ وہ بھی پنجاب کی آب وہوا سے متاثر ہو کر آزادی کی راہ ڈھونڈھ رہے تھے۔ اُن میں بھی لاہور کانگریس اور مسلم لیگ و مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی کارروائی نے جوش بھر دیا تھا۔ وہ بھی اپنے اہالیان وطن کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنا چاہتے تھے۔ اگرچہ اس وقت تک اُنہوں نے بھی اس سلسلہ میں بہت کام کیا تھا۔ لیکن وہ کشمیری مسلم نوجوانوں کی تحریک سے ناآشنا تھے۔ اور کشمیری اُن کی حرکات سکنات سے بے خبر۔ جب انقلاب میں دونوں اطراف سے مضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور کابینہ وزارت کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ و مسٹر فاضلی کی ملاقات کی خبر مشتہر ہوئی۔ تو اُن کو ایک دوسرے کی ہستی کا پتہ چلا۔ اب وہ آپس میں رشتہ اتحاد پیدا کرنے کے درپے ہوئے۔ ایسا کرنے کے لئے ینگ مینز مسلم ایسو سی ایشن جموں نے اپنا ایک وفد جو چند نوجوانوں پر مشتمل تھا سرینگر روانہ کر دیا۔ اس میں مسٹر عبدالمجید

قریشی مدیر "پاسبان" بھی تھا۔ اور یہ وفد سرینگر خزاں کے دنوں میں پہنچا۔ ارکان وفد نے مسلم ریڈنگ روم کے تمام ممبران کے پاس جاکر تبادلۂ خیالات کیا۔ اور اپنی انجمنات و شکایات کو فصاحت کے ساتھ اُنہیں سنایا۔ کشمیری نوجوانوں نے اپنے مصائب کو بیان کیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جموں اور سرینگر کے تعلیمیافتہ مسلم نوجوان ایک تنظیم میں منسلک ہوئے۔ اور اب سے آئندہ جو کچھ سرینگر میں ہو رہا تھا۔ اُس کی خبر جموں والوں کو دی جاتی تھی۔ اور جو کچھ کارروائی جموں میں ہوتی تھی۔ اُس کی اطلاع سرینگر کے نوجوانوں کو ملتی رہتی تھی۔ اِس رشتہ کے پیدا ہونے کے بعد انقلاب میں زوردار مضامین متواتر شایع ہوتے تھے اور یہی اُس کے داخلے پر بندش کے موجب بنے۔

اِدھر یہ سلسلہ چند مہینوں کے لئے جاری رہا۔ اور حکومت کشمیر کی پریشانیاں دن بدن بڑھنے لگیں۔ حالانکہ کابینۂ وزارت نے وقت کی نزاکت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حالات کا پوری طرح جائزہ نہ لیا۔ اُدھر ۲۷ چیت کو فرانس کے ایک نرسنگ ہوم میں مہاراجہ بہادر کا پہلا اولاد مہاراجہ کمار کرن سنگھ جی پیدا ہوئے۔ اِس سے ریاست کے طول و عرض میں شادیانے منائے جانے لگے۔ جرا غان کیا گیا۔ غربا میں خیرات تقسیم ہوئی۔ طلبار کو مٹھائی دی گئی۔ غرضیکہ سرکاری طور پر بھی شان و شوکت سے اِس خبر کو خوش آمدید کیا جانا چاہیئے تھا۔ کیا گیا۔ مہاراجہ بہادر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کشمیر کے رؤسا اور امرا نے بھی ایک اہم اجلاس بلایا۔ جس میں مہاراجہ بہادر کو واپس وطن تشریف لانے پر سپاسنامہ پیش کئے جانے کے معاملہ پر غور و خوض ہونا تھا۔

اگرچہ رؤسا کشمیر کی یہ میٹنگ دوسرے کسی موقعہ پر کوئی زیادہ اہمیت

نہ رکھتی ۔ اور روسار کے بغیر کسی غیر کی توجہ کا مرکز نہ بن سکتی تھی ۔ لیکن مسلم نوجوان ہر ایک بات کو سیاسی رنگت دیکر ملک میں ایجی ٹیشن پیدا کرنے کے درپے تھے ۔ تاکہ ان کی تنظیم سرکاری وغیر سرکاری حلقہ جات میں نام پیدا کر سکے ۔

ایک مقررہ دن پر پنڈت بلہ کاک در جو کشمیری پنڈتوں میں ایک اعلیٰ رئیس ہیں ۔ کے ہاں روساکی میٹنگ منعقد ہوئی ۔ اِس میٹنگ میں جو کچھ ہونا تھا وہ تو حاضرین میں سے ہر ایک کو پہلے ہی معلوم تھا ۔ اُس کے متعلق نہ تو کسی کو اعتراض ہوسکتا تھا ۔ اور نہ ہی بحث کرنے کی ضرورت تھی ۔ لیکن جب اِس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوگئی ۔ تو اُس کے صدر اور دیگر عہدہ داران کے انتخاب نے مشکلات پیدا کر دیئے ۔ پنڈت بلہ کاک کی خواہش تھی ۔ کہ وہ صدر منتخب ہوں ۔ اور اِس کو کامیاب بنانے کے لئے اُنہوں نے ہوشیاری سے کام لیکر مسلم و ہندو روسار کی اکثریت اپنے حق میں کر دی تھی ۔ لیکن چند مسلم جاگیرداروں نے جن میں خواجہ نور شاہ بھی تھے ۔ کسی سرکاری رُکن مجلس کو صدر بنانے کے خلاف زبردست تقریر کی ۔ ۔ ۔ اِس پر بہت بحث ہوئی ۔ اور آخر کار پنڈت بلہ کاک ہی اِس کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے ۔ مرزا غلام مصطفےٰ نائب صدر اور خواجہ غلام احمد عشائی سیکرٹری ۔

پنڈت بلہ کاک نے روسار کی طرف سے مہاراجہ بہادر کو مبارکبادی کا تار بھیجدیا ۔ یہ خبر مسلم نوجوانوں کو ملی ۔ تو وہ سیخ پا ہوئے ۔ اُنہوں نے مسلم جاگیرداروں کو طعنے دیئے ۔ اور انہیں اُکسایا ۔ اُنہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ غالب اکثریت میں ہوتے ہوئے ۔ ایک غیر مسلم کی صدارت کو پسند نہیں کرتے ۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ۔ اِس قدم کے اُٹھانے سے صرف یہ منشا تھا کہ کھلبلی مچ جائے

اور ایسا ہی ہوا۔

نوجوانوں نے نوجوان جاگیردار میر مقبول شاہ خانیاری سجادہ نشین کو کہا۔ کہ وہ مسلم روسا کا ایک اجلاس اپنے مکان پر بلائے۔ اِس اجلاس میں قریباً دو سو آدمی حاضر تھے۔ جن میں ایک مولوی یوسف شاہ تھا۔ شیخ محمد عبداللہ نے ایک زبردست تقریر کی جس میں مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے زور دیا۔ اور اُنہیں بتایا۔ کہ جب تک وہ خود دار نہیں بنتے۔ قوم بیدار نہیں ہو سکتی۔ اِس تقریر کے دوران میں آپ نے حاضرین کو بتلایا۔ کہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے اگر مجھے "خوجہ یار بل" (قید) بھی جانا پڑے۔ تو مجھے دریغ نہ ہوگا۔ روسا کی مجلس میں اِن الفاظ کا بولا جانا حد درجہ قابلِ اعتراض سمجھا گیا اور کئی احباب نے آپ سے التماس کی۔ کہ آپ اِن الفاظ کو واپس لے لیں۔ لیکن آپ نے بلا جھجک جواب دیا۔ کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔

اِس کے بعد مسلم روسا کے کئی اجلاس منعقد ہوئے۔ اب مضافات کے جاگیردار اور اکابرین بھی شاملِ جلسہ ہوئے تھے۔ اِن اجلاسوں کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ مسلم روسا نے اپنی الگ کمیٹی بنا دی۔ اور کام کے لئے فنڈ جمع کرنے کا انتظام کیا۔ مسلم کمیٹی نے بھی دوسری کمیٹی کی طرح مہاراجہ بہادر کو مبارکباد کا تار دیا۔ اور اُنہیں وطنِ مالوف خوش آمدید کرنے کے لئے پبلک سپاسنامہ پڑھنے کی درخواست دی۔ مہاراجہ بہادر نے دونوں کمیٹیوں کی عرضداشت کو نامنظور کر دیا۔ یہ ایک دانشمندانہ اقدام تھا۔

اب شیخ محمد عبداللہ کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ دن بھر مصروفِ کار رہتے تھے۔ تنظیم پروپیگنڈا ذاتی میل ملاقات سے اعداد و شمار

کا جمع کرنا - تمام قومی کاموں پر نگاہ رکھنا - یہ باتیں اُس کے وقت پر قابض ہو گئی تھیں
اُس کا گھر شہر سے پانچ میل کے فاصلے پر تھا - وہ اکثر اوقات رات کے بارہ بجے
کام سے فارغ ہوتا - اور اُس وقت گھر کا راستہ لیتا تھا - اور صبح سویرے منہ اندھیرے
پھر سرینگر چلا جاتا تھا - وہ چاہتا تھا کہ سرینگر میں کہیں ڈیرہ جمائے - لیکن اُس کے
پاس کوئی دولت نہ تھی جس کو وہ صرف کر کے ایسا کر سکتا - اُس کے بھائی تو اُس سے
پہلے ہی ناراض تھے - کہ اُس نے ایم - ایس - سی کی ڈگری حاصل کر کے کیوں کہیں
ملازمت نہیں کی - اس لئے اُن سے مزید روپیہ وصول کرنا ناممکن تھا - وہ ابھی اتنا
نامور بھی نہ تھا - کہ کوئی اُس کی مالی امداد کرتا - پس اُس نے سوچ لیا - کہ تحریک کو
جاری رکھنے اور پیٹ پالنے کے لئے کسی نہ کسی طرح سے کچھ کمانا چاہیئے
کشمیر میں تعلیمیافتہ نوجوان کے لئے کمانے کا سوائے ملازمت سرکار کے
اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے - بادلِ ناخواستہ اُس نے حکومت کے آستانے
پر دست سوال دراز کر دیا -

شیخ محمد عبداللہ پہلا مسلم نوجوان ہے جس نے ایم - ایس - سی کی ڈگری
حاصل کی ہے - جب اُس نے ملازمت کے لئے درخواست دی - تو اُس کا بھی وہی حشر
ہوا - جو اُس کی پہلے دو دفعہ اُس کی وظیفہ کے لئے درخواستوں کا ہوا تھا - اُس کو ہر طرف
سے یہی جواب ملتا تھا کہ کوئی آسامی خالی نہیں ہے - اس تگ و دو میں اُس کی نظر
محکمہ تعلیم پر بھی پڑی لیکن وہاں بھی یہی حوصلہ شکن جواب دیا گیا - کہ مناسب کوئی
جگہ نہیں - اگر مرضی ہو تو ایک ساٹھ روپیہ کی آسامی گورنمنٹ ہائی سکول میں دی
جا سکتی ہے - مرتا کیا نہ کرتا - شیخ محمد عبداللہ نے اُس کو بھی قوم کے لئے قربانی
سمجھ کر اپنی پوزیشن کا مطلق خیال نہ کر کے اس آسامی کو قبول کر دیا - تاکہ

اِس قلیل رقم سے اپنا پیٹ پال کر تحریک کو جاری رکھ سکے۔ وُہ جانتا تھا۔ کہ اُس وقت وُہ ملازمت سرکار نہیں۔ بلکہ معاش ملنے کا متمنی ہے۔

انہی دنوں میر واعظ مولانا احمد اللہ کا انتقال ہُوا۔ آپ کے جنازہ کے ساتھ جو ماتمی جلوس نکالا گیا۔ اُس میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی شامل تھے۔ جلوس کے آگے آگے شیخ محمد عبد اللہ اور اُن کے چند ہمنام نوجوان ساتھی تھے۔ کچھ دن پیچھے مولوی عطیق اللہ کو جامع مسجد میں میر واعظ بنانے کے لئے ایک بھاری جلسہ ہُوا۔ شیخ محمد عبد اللہ نے اس جلسہ میں تقریر کی۔ جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے اسلامیہ ہائی سکول میں جو ماتمی جلسہ میر واعظ مولانا احمد اللہ کے انتقال کے سلسلہ میں منعقد ہُوا اُس میں بھی شیخ محمد عبد اللہ شریک تھے۔ تقریر کے دوران میں آپ نے کمیٹی کے ممبران کے متعلق چند اعتراضات کئے۔ جس پر خواجہ غلام محمد ملک نے آپ کو بھرے اجلاس گالیاں دیں۔ اِس سے نوجوان سخت طیش میں آ گئے اور خواجہ غلام محمد ملک سے برسرپیکار ہوئے۔ اگرچہ شیخ محمد عبد اللہ کے سمجھانے بجھانے پر نوجوان خاموش ہو گئے۔ لیکن عوام پر واضح ہو گیا۔ کہ معمولی سکول ماسٹر نے مسلم نوجوانوں کے دل پر کتنا قبضہ کر رکھا ہے۔ ماسٹر عبد اللہ اُس وقت سے تعلیمیافتہ مسلمانوں کے طبقہ میں ایک نمایاں حیثیت رکھنے لگا۔

گو شیخ محمد عبد اللہ گورنمنٹ ہائی سکول میں ایک ماسٹر تھا لیکن جیساکہ ہم ابھی دیکھ لیں گے۔ ملک میں حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ کہ وُہ سیاسی نکتہ نگاہ سے لا اینڈ آرڈر کا محافظ بن چکا تھا۔

پہلی گرفتاری اور رہائی

انقلاب کا داخلہ ریاست میں بند کر دیا گیا۔ تو مسلم نوجوانوں نے لاہور سے دوسرے اخبارات کے ڈیکلریشن داخل کر دئے۔ اور ان کو شائع کرنا شروع کر دیا۔ یکے بعد دیگرے "کشمیری مسلمان" "کشمیری مظلوم" "مکتوب کشمیر" کے نام پر پرچے آنے شروع ہو گئے۔ ان میں وہی "انقلاب" کے نامکمل مضامین شکایات اور مطالبات سے پر مکمل ہوتے تھے۔ اگر کشمیری مسلمانوں کو اپنے وطن کا کوئی اہلکار ریاست ہمدردانہ طریقہ سے شکایات کو سنتا۔ تو وہ اس سبز رنگ اور غیر ذمہ دارانہ طریقہ سے انقلاب میں آرٹیکل شائع نہ کرواتے۔ اور حکومت کو اس جریدہ کے داخلہ پر بندش عاید کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ "انقلاب" میں پھر بھی بڑا اخبار ذمہ داری کے احساس کے باعث مضامین کی کانٹ چھانٹ ہوا کرتی تھی۔ جب اس جریدہ کا داخلہ بند ہو گیا۔ اور بالکل ہی غیر ذمہ دار اخبارات نکل آئے تو انہوں نے ریاست کشمیر اس کے حکمران اور تمام افسران حکومت کے برخلاف زبردست سے زبردست پروپیگنڈا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جہاں تک ان سے ہو سکا ریاست کو سیاہ سے سیاہ صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا جس طرح سے بھی ہو سکا۔ مسلمانان ریاست کو ان مضامین میں حکومت کے خلاف بھڑکایا گیا۔ اب حکومت کے سامنے بھی اس کے سوا

اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔ کہ وہ اُن تمام نئے اخبار کو بند کرتے جائے۔ اور ان
پر کڑوی نگرانی رکھی گئی۔ صحیح تو یہ ہے۔ کہ اب افسرانِ حکومت کے ہوش وحواس
باختہ ہونے لگے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے۔ کہ اِس بڑھتے ہوئے سیلاب کو کیسے
روکا جائے۔ اُن کو اِس کے سوا اور کچھ نہ سوجھتا تھا۔ کہ ہر طرح سے دباؤ کی
پالیسی کو اختیار کیا جائے۔ اور جہاں کہیں بھی کوئی تحریری تقریری مجموعی یا انفرادی
مظاہرہ حکومت کے خلاف ہو۔ اُس کو فوراً دبایا جاوے۔ کابینہ، وزارت یا
اِس سے باہر کسی ذمہ دار حاکم کا دماغ ٹھکانے نہ رہا تھا:۔

ملک کی بدقسمتی سے مسٹر ویکفیلڈ اور مسٹر واٹل کے درمیان اقتدار حاصل کرنے
کے لئے اندرونی رسہ کشی ہو رہی تھی۔ یہ دونوں والئے کشمیر کی خوشنودی حاصل
کرنے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا کروانے میں بھی اپنا
وہ قیمتی وقت ضائع کر رہے تھے۔ جو اُن کو مہاراجہ بہادر کی غیر حاضری میں رعایا
ریاست کی بہتری و بہبودی میں صرف کرنا چاہئے تھا۔ جب ایجی ٹیشن نے
زور پکڑنا شروع کر دیا۔ تو اُن دونوں نے اِس کی روک تھام کے لیے
پیش پیش حصہ لیا۔ لوگوں کے ساتھ ہمدردی کے لئے نہیں۔ بلکہ اپنی قابلیت دکھانے
کے لئے۔ لیکن پارٹی بازی کی وجہ سے اس میں بھی دونوں ناکام رہے۔ کیونکہ یہ
سپرٹ تمام ماتحت افسران میں سرائیت کر گئی تھی۔ اور اِس کی بدولت کوئی بھی
ذمہ دار آفیسر سوائے اپنے پارٹی لیڈر سے دریافت کئے بنا اپنے فرائض کو انجام
نہ دیتا تھا۔

فضا تیار ہو چکی تھی۔ اِس میں صرف ایک چنگاری کی ضرورت تھی۔ کہ ہر طرف
آگ لگ جاتی۔ مسلم نوجوان اِس چنگاری کی تلاش میں تھے۔ کہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۱ء

کو جموں شہر میں عید کے دن ایک ہندو سب انسپکٹر پولیس نے کسی مولوی کو ادائے نماز کے بعد خطبہ پڑھتے پڑھتے روک لیا۔ ہندو سب انسپکٹر کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ مسلمان نماز کے بعد اپنی زبان میں خطبہ بھی پڑھا کرتے ہیں۔ اس لیے جب مولوی نے اردو زبان میں خطبہ شروع کیا۔ جو بظاہر ایک تقریر معلوم ہوتی تھی۔ کو سب انسپکٹر نے اشارہ کیا۔ کہ یہ بند کر دیا جائے۔ مسلمانوں نے اس کو مداخلت فی الدین قرار دیا۔ اور ہر جگہ اس کے خلاف پروٹسٹ ہونے لگے۔

اس کے چند روز بعد ہی پولیس لائنز جموں میں ایک ہندو ہیڈ کانسٹیبل نے اپنے ماتحت مسلمان کانسٹیبل کو ڈیوٹی پر نہ جانے کی وجہ سے ٹوکا۔ جب کہ وہ اپنے بستر میں بیمار پڑا تھا۔ مسلمان کانسٹیبل نے اپنے افسر کی پرواہ نہ کی۔ تو ہیڈ کانسٹیبل نے اس کے بستر کو گول کر کے ایک کونے میں پھینک دیا۔ بدقسمتی سے اس بستر سے ایک پنجسورہ گر پڑا۔ یہ خبر آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی۔ مسلمانوں کو بتایا گیا۔ کہ غیر مسلم کے ہاتھ سے قرآن کریم کی توہین ہو گئی ہے۔

انہی دنوں جموں کے قصبہ ڈنگھوئی میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ ظہور میں آیا وہاں ایک تالاب ہے۔ جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ قبضہ میں ہے۔ مسلمان عید کے روز اسی تالاب کے کنارے نماز ادا کرتے ہیں۔ وہاں کے مقامی پولیس آفیسر کو یہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے جب اس نے سُنا۔ کہ مسلمان اس تالاب پر نماز ادا کرنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ یہ خبر بھی آناً فاناً ملک میں پھیل گئی۔ اور مسلمانوں نے اس کو بھی مذہبی دلآزاری قرار دیا۔

یوں تو ایسے واقعات ابتدائے آفرینش سے چلے آتے تھے۔ اور

اب بھی ہو رہے ہیں ۔ لیکن سوائے چند آدمیوں کے اور کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بنتے اِس قسم کی خبریں مقامی ہوتی ہیں ۔ وہاں ہی پیدا ہوتی ہیں ۔ وہاں ہی مر جاتی ہیں لیکن مسلم نوجوان اُس وقت اِن سے سیاسی فضا میں آگ لگانے کے لئے چنگاری کا کام لینا چاہتے تھے ۔ اِس لئے وہ کب اِن کو مقامی خبریں رہنے دیتے ۔ چنانچہ اِن کی ہی بنا پر تمام خطۂ کشمیر کو برافروختہ کیا گیا ۔ مسلمان ہر شہر ۔ قصبہ ۔ اور دیہات میں مشتعل ہو گئے ۔ اِس وقت تک تحریک کشمیر تعلیمیافتہ نوجوانوں تک ہی محدود تھی جب اِس کو مذہبی رنگت دی گئی ۔ تو گاؤں گاؤں میں بھی پھیل گئی ۔ ہر طرف سے " اسلام خطرے میں " کی صدائے جنگ پھیل گئی ۔ اگرچہ حکومت نے خطبۂ عید والے سب انسپکٹر پولیس کو معطل کر دیا ۔ توہینِ قرآن کریم کے معاملہ کی تفتیش کے لئے مسٹر ویکفیلڈ کو مقرر کر دیا ۔ ڈھگور بالا کے قضیہ کے لئے مقامی افسر پولیس نے اظہار تاسف کیا ۔ لیکن ملک کے امن کو برقرار رکھنا اب مشیران ریاست کے بس کی بات نہ رہی تھی ۔

توہینِ قرآن کے خلاف بطور پروٹسٹ ینگ مینز مسلم ایسو ۔ سی ۔ ایشن جموں نے ایک مشتہر قد پوسٹر شایع کیا ۔ اِس کی سینکڑوں کاپیاں ریاست کے طول و عرض میں بھیج دی گئیں ۔ سرینگر میں یہ کاپیاں شیخ محمد عبداللہ کے پاس روانہ کر دی گئی تھیں ۔ آپ نے یہ پوسٹر اپنے والنٹیروں کے ذریعہ تمام شہر چسپاں کرانے کے لئے بانٹ دئے ۔ لیکن جب والنٹیروں نے اُن کو سرینگر کے بازاروں میں چسپاں کرنا شروع کر دیا ۔ تو پولیس کے سپاہیوں نے اُن کو ہٹایا ۔ مسٹر عبداللہ کے مکان کے نزدیک ایک والنٹیر مسمی محمد اسمٰعیل نے ایک پوسٹر چسپاں کیا ۔ تو پولیس نے اِس کو ہٹایا ۔ اُس نے دوسرا چسپاں



خانقاہ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں شیر کشمیر تقریر فرما رہے ہیں

کیا۔ تو اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ پہلا آدمی ہے۔ جو سرینگر میں سیاسی جرائم کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا ہے۔ اس کا گرفتار ہونا تھا۔ کہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے یہ خبر شہر میں یک لخت پھیل گئی۔ کہ حکومت نے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے لوگوں کے جمع ہونے پر۔ ڈی۔ آئی جی پولیس اور انسپکٹر جنرل پولیس وغیرہ آفیسران بھی موقعہ پر آئے۔ اور لوگوں کو منتشر کر لیا گیا۔

شیخ محمد عبد اللہ نے اسی وقت شہر کے کونہ کونہ میں ڈھنڈورہ پٹوایا اور اعلان کر دیا۔ کہ شام کو جامع مسجد میں "توہین قرآن" کے خلاف پروٹسٹ کرنے کے لئے ایک عام جلسہ ہو گا۔ اس جلسہ میں تیس ہزار سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے تھے۔ یہ پہلا عام جلسہ تھا جس میں سیاسی تقریریں ہوئیں کشمیری مسلمان ماسٹر عبد اللہ کے نام سے اب پوری طور واقف ہو گئے تھے۔ وہ سمجھنے لگے تھے۔ کہ ان کے درمیان کوئی غیر معمولی ہستی پیدا ہو گئی ہے جس نے اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم حاصل کرنے پر بھی اپنی زندگی کو ملک و ملت کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ لیکن انہوں نے ابھی اس کے دیدار حاصل نہ کئے تھے۔ وہ مشتاق تھے۔ اور اب اس موقعہ کے انتظار میں تھے جب وہ ان کے سامنے آجائے۔ اس کے نام کے ساتھ اب ایک افسانہ پیدا ہو گیا تھا۔ پس جب وہ جامع مسجد کے سٹیج پر کھڑے ہو کر تیس ہزار لوگوں کے مجموعہ میں تقریر کرنے لگا۔ اور اس کی ابتدا قرآن کریم کی "توہین" کے خلاف زبردست پروٹسٹ سے کی۔ تو لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ آپ نے صرف توہین کے واقعہ کا ہی ذکر نہ کیا۔ بلکہ مسلمانوں کو اپنی غلامی کی یاد دلائی۔ اور انہیں اپنے پیدائشی حقوق حاصل کرنیکی تلقین کی

"جلسہ میں بہت سے ریزولیوشن پاس کئے گئے۔ اور مہاراجہ بہادر سے التجا کی گئی۔ کہ وہ مسلمانوں کی دلآزاری کرنے والے اہلکاروں کو قرار واقعی سزا دے کر عوام کے مجروح دلوں پر تسکین کا پھاہا رکھیں" (۱)

جلسہ کے اختتام پر لوگوں کا اژدہام شیخ محمد عبداللہ کے پیچھے پیچھے اُن کے مکان تک چلتا رہا۔ جو ایک لمبے جلوس کی شکل میں بازاروں میں گھومتا رہا۔ جلوس میں "شیخ محمد عبداللہ زندہ باد" "اسلام زندہ باد" وغیرہ نعرے بلند کئے جا رہے تھے۔

جامع مسجد اب مسلم نوجوانوں کی سیاسی سرگرمیوں کا اڈہ تو بن گیا۔ لیکن اس مسجد پر میر واعظ کا تسلط تھا۔ اس لئے اُس کا تعاون حاصل کرنا ضروری تھا۔ میر واعظ عطیق اللہ اِن دنوں مشن ہسپتال واقع مگجن میں بحالت بیماری دراز تھے اس لئے اُن کی جگہ مولوی یوسف شاہ ہی نائب میر واعظ کی حیثیت سے جامع مسجد میں وعظ کیا کرتا تھا۔ حکومت چاہتی تھی۔ کہ میر واعظ عطیق اللہ اُن کے پھندے میں پھنس جائے۔ اور مسلم نوجوانوں کو جامع مسجد میں تقریریں کرنے کی اجازت نہ دے۔ اِدھر سے مسلم نوجوان بھی اسی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔ کہ میر واعظ کو اپنی طرف کھینچ لیا جاوے۔ دونوں اطراف سے مشن ہسپتال میں میر واعظ پر ڈورے ڈالنے کا کام شروع ہو گیا۔ نوجوانوں کی خوش قسمتی سے اُن دِنوں اِس ہسپتال میں خواجہ غلام احمد عشائی کا خسر خواجہ امیر شاہ بھی بیمار پڑا تھا۔ مسٹر عشائی اِن کی تیمارداری کے لئے شب و روز وہاں رہتے اُنہوں نے میر واعظ عطیق اللہ کو نوجوانوں کے ساتھ مل جانے کے لئے بہتیرا اُور دیا۔ ہسپتال میں یہ ہو رہا تھا۔ تو شیخ محمد عبداللہ نائب میر واعظ یوسف شاہ

(۱) دستی۔ صفحہ ۱۵

کوٹی پڑھانے میں مشغول تھے۔ نوجوان مولوی یوسف شاہ نے تحریک خلافت میں حصہ لیا تھا۔ اُس کی طبیعت میں جوش بھرا پڑا تھا۔ ملک کی فضا پرسکون نہ تھی۔ اُس کے دل نے چاہا۔ کہ وُہ بھی اپنے اندر کے ولولے پورے کردے۔ شیخ محمد عبداللہ کی میٹھی گفتگو کا اُس پر زبردست اثر ہُوا۔ اور اُس نے مُسلم نوجوانوں کے ساتھ چل کر کام کرنے کو منظور کر لیا۔

حکومت نے جامع مسجد والے جلسہ کی کارروائی کو بُرا منایا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اپنے دفتر میں اکابرین کی ایک میٹنگ بلائی جس میں مرزا غلام مصطفےٰ۔ میر مقبول شاہ مولوی شریف الدین۔ مولوی رحیم شاہ بانڈے۔ منشی اسداللہ۔ مولوی عبداللہ وغیرہ اصحاب شامل تھے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ان حضرات سے دریافت کیا۔ کہ شہر میں سیاسی فضا کو دُرست کرنے کے لئے کون سی تدابیر عمل میں لائی جانی چاہیئں۔ مرزا غلام مصطفےٰ۔ مولوی شریف الدین۔ مولوی رحیم شاہ مصطفےٰ اور منشی اسداللہ نے اس بات پر زور دیا۔ کہ اگر شیخ محمد عبداللہ اور چند مسلم نوجوانوں کو قید کر دیا جائیگا۔ حالات بالکل درست ہو سکتے ہیں۔ لیکن باقیوں نے اس کی مخالفت کی۔ اور بتایا کہ جب تک مسلمانوں کی شکایات کا سدباب نہیں کیا جاتا۔ کوئی علاج نہیں ہو سکتا ہے۔ اِس میٹنگ کی کارروائی کی اطلاع مُسلم نوجوانوں کو ملی۔ اُنہوں نے مخالفین کے خلاف مذمت کا ریزولیوشن پاس کیا۔ جموں میں بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اِس کارروائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا گیا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ ماسٹر عبداللہ یا اُس کے رفقاء کو قید کر دے۔ لیکن اُس نے بحیثیت صدر تعمیری کمیٹی جامع مسجد ایک

نوٹس مسجد کے دروازوں پر چسپاں کر دیا۔ کہ اِس کے اندر کوئی شخص بلا اجازت کوئی تقریر یا جلسہ نہیں کر سکتا۔

"چونکہ یہ حکم صریحاً مذہب میں مداخلت تھی۔ ہم نے تہیہ کر لیا۔ کہ اِس کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اُڑا دیں گے۔ اور کبھی بھی مذہبی مداخلت گوارا نہ کریں گے۔ ہم نے ایک اور جلسہ عام کا اعلان کر دیا۔

یہ جلسہ جمعہ کے روز ہونے والا تھا۔ اِس روز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خود درگاہ حضرت بل میں اُن تمام روسار کو لیکر مسلمانوں کے جلسہ میں چلا گیا۔ جنہوں نے پہلی میٹنگ میں ماسٹر عبداللہ اور اُس کے رفقار کے قید کئے جانے کی سفارش کی تھی۔ یہ خبر پاتے ہی شیخ محمد عبداللہ غلام نبی گلکار اور مولوی عبدالرحیم بھی درگاہ کو چلے گئے۔ وہاں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس ہی کرسیوں پر میر اسداللہ مولوی رحیم شاہ بانڈے۔ مرزا غلام مصطفےٰ وغیرہ بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کے اندر پہلے ہی اُن اصحاب کے خلاف جذبہ نفرت موجود تھا۔ انہوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ایک بات کو بھی سننا بھی گوارا نہ کیا۔ جب تک وُہ وہاں حاضر تھے۔ اِس لئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی تمام وُہ کوششیں رائیگاں گئیں جن سے اُن کا منشا تھا۔ کہ لوگوں کو خلافِ قانون حرکات سے باز رکھا جائے۔ جب شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقار جلسہ میں پہنچ گئے۔ تو لوگوں میں بہت خوشی پیدا ہوگئی۔ اور "اللہ اکبر"۔ اسلام زندہ باد۔ شیخ محمد عبداللہ زندہ باد کے نعرے بلند کئے گئے۔ اُس کو مجبور کیا گیا۔ کہ وُہ تقریر کرے لیکن اُس نے لوگوں کو پُرامن رہنے کی تلقین کی۔ اور اُن سے کہا۔ کہ وُہ جانتے نہیں ہیں جمع ہوں۔ جہاں کہ پروگرام کے مطابق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

کے حکم کے خلاف احتجاجی جلسہ ہونا مقرر پایا تھا۔ یہ سنتے ہی لوگ ہزاروں کی تعداد میں بطرف سرینگر روانہ ہوئے۔ ماسٹر عبداللہ خود بھی اسی طرف کو چلا گیا اور چند نوجوانوں کو درگاہ والی مجلس میں کارروائی ریکارڈ کرنے کے لئے متعین کیا۔

درگاہ حضرت بل میں اُسی روز شیخ محمد عبداللہ سے ایک غیر ریاستی مسلمان ملاقی ہوا۔ جس نے اُس کے خلوص اور کام کی بہت تعریف کی۔ اور خود بھی مسلمانوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اُس نے شیخ محمد عبداللہ سے پُرزور درخواست کی۔ کہ اُس کو تقریر کرنے کی اجازت دی جائے۔ یہ آدمی سرحد کا رہنے والا تھا۔ اور ایک انگریز فوجی افسر کے ساتھ بطور بہرہ کا کام کرنے آیا تھا اس کا نام عبدالقدیر تھا۔ شیخ محمد عبداللہ کی شخصیت اور ہر دلعزیزی سے اس کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ اور اُس نے جوش کے ماتحت مسٹر عبداللہ سے استدعا کی۔ کہ اُس کی خدمات کو قبول کیا جائے۔ شیخ محمد عبداللہ کشمیر کی سیاسیات سے اب کماحقہ واقف ہو گیا تھا۔ اُس نے جان لیا۔ کہ اگر یہ شخص کسی قسم کی ذرہ بھر بھی خلاف قانون حرکت کریگا۔ حکومت کا آہنی ہاتھ اُس کو کچلنے کے لئے فوراً آگے بڑھیگا۔ اس لئے انہوں نے عبدالقدیر کو سمجھایا کہ وہ اس کھیل کو دور سے ہی دیکھے۔ کیونکہ اولاً کسی غیر ریاستی مسلمان کو ریاست کی سیاسی جدوجہد میں عملاً دخل دینا واجب نہیں۔ اور ثانیاً یہ سودا اُس کے لئے بہت مہنگا پڑیگا۔ عبدالقدیر اس جواب کو سن کر بظاہر اطمینان قلب کے ساتھ واپس چلا گیا۔ لیکن دوسری جمعہ کے روز وہ پھر نسیم باغ سے (جہاں اُس کے آقا کا ہوس بوٹ تھا)، حضرت بل آیا۔ اور جلسہ میں تقریر کر گیا۔

شیخ محمد عبداللہ جب درگاہ سے جامع مسجد میں پہنچا۔ تو اُس نے
مسلمانوں کے ایک کثیر العدد مجمع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اُس حکم کی دھجیاں
فضائے آسمانی میں بکھیر دیں۔ جس کی رو سے اُس نے مسجد کے اندر کسی
سیاسی تقریر کرنے کی ممانعت کی تھی۔ مسٹر عبداللہ نے پھر اپنے خیالات کا اعادہ
کیا۔ کہ جب تک حکومت قرآن کریم کی توہین کرنے والوں کو سزا نہیں دے گی۔
مسلمان امن سے نہیں رہیں گے۔ اور جب تک مسلمانوں کو حقوق نہیں دیے جائیں
تعلیمیافتہ اور غیر تعلیمیافتہ مسلمان ایجی ٹیشن سے باز نہیں رہیں گے۔ حکومت
نے اِس خلاف قانون کاروائی کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ کیونکہ اب وہ یہ جانتی تھی
کہ اگر شیخ محمد عبداللہ یا اُس کے کسی ساتھی کو گرفتار کر لیا گیا۔ تو ملک بھر میں وہ
آگ لگ جائیگی۔ کہ بجھے نہ بجھیگی۔ لیکن پھر بھی دباؤ ڈالنے کی غرض سے
اُنہوں نے قدم اٹھایا۔ وہ یہ تھا۔

"میری پبلک سرگرمیوں سے حکومت مشتعل ہو گئی۔ اور حکام تعلیم نے مجھکو
سیاسی لحاظ سے مردہ بنانے اور تمام قومی و ملکی تحریکات سے علیحدہ رکھنے
کی خاطر مجھکو مظفر آباد تبدیل کرنے کا حکم دے دیا۔ مگر میں نے ذاتی مفاد
پر قومی مفاد کو ترجیح دی۔ اور حکومت کو اِس کے حکم کے جواب میں لکھدیا
کہ میں گورنمنٹ کا ملازم ضرور ہوں۔ لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں۔ کہ میں اپنے
دین عزیز کی توہین دیکھکر خاموش رہوں۔ میں دیگر مسلمانوں کی طرح کبھی بھی اپنے مذہب
کی توہین گوارا نہ کروں گا۔ اور اِس توہین کا ارتکاب کرنے والے احکام
کے خلاف صدائے احتجاج بلند کروں گا۔ میں نے سرکار کا ملازم ہو کر چند
ٹکوں کے عوض اپنا ضمیر فروخت نہیں کیا۔ اور نہ ایسا کر سکتا ہوں۔

حکام متعلقہ کا فرض ہے۔ کہ وُہ میرے کام کو دیکھیں۔ اور اس بات کا خیال رکھیں۔ کہ میں وقت معینہ پر اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوتا ہوں۔ یا نہیں۔ لیکن ہر انسان کا فرض ہے۔ کہ وُہ اپنے ہموطنوں اور ہم مذہبوں کی اخلاقی۔ تمدنی معاشری حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

حکام متعلقہ نے میری بات پر کان نہ دھرا۔ اور میں نے اس بات کو محسوس کرتے ہوئے اور جانتے ہوئے۔ کہ انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ صرف یہی ہے۔ کہ دوسروں کو فایدہ پہنچائے۔ میں حکام کی روش پر زیادہ عرصہ چُپ نہ رہ سکا اور میں نے محکمۂ تعلیم کو اپنا استعفےٰ بھیجدیا؛؛ سلہ

اور بتایا گیا ہے۔ کہ حکومت نے توہین قرآن کریم کے معاملہ کی تحقیقات کے لئے مسٹر ونگفیلڈ کو جموں روانہ کر دیا تھا۔ اُنہوں نے وہاں جا کر تحقیقات کے بعد جو رپورٹ لکھدی۔ اُس سے اُنہوں نے پولیس ہیڈ کانسٹیبل کو توہین کے معاملہ میں بری قرار دیا۔ لیکن اسکی غلطیٰ ثابت ہونے کے باعث ملازمت سے ریٹایر کر دینے کی سفارش کی۔

مسلم کانسٹیبل کو ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ کیونکہ اس نے اپنے افسر کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔ جو پولیس قانون کی رو سے نہایت ہی قابل اعتراض ہے۔ مسٹر ونگفیلڈ نے تحقیقات کرتے ہوئے جموں کے مسلم نمائندگان سے تبادلہ خیالات بھی کیا۔ اور اُن کو ہدایت کی۔ کہ وُہ اپنی رنجشات و شکایات مہاراجہ بہادر کے پیش کرنے کے لئے چار نمائندے منتخب کر کے سرینگر روانہ کر دیں۔ تاکہ وہاں بھی مسلمانوں کے نمائندے منتخب ہو جانے پر ایک وفد میموریل لے کر مہاراجہ بہادر کے پیش ہو جائے۔ اِس ہدایت کے مطابق جموں کے

حسب ذیل چار نمائندے سرینگر کی طرف چل پڑے:۔ (۱) چوہدری غلام عباس (۲) مستری یعقوب علی۔ (۳) قاضی گوہر رحمان (۴) شیخ عبدالحمید

اس تجویز کے ماتحت سرینگر میں نمائندگان کو منتخب کرنے کے لیئے خانقاہ معلےٰ میں مسلمانوں کا ایک عظیم جلسہ منعقد ہوا۔ یہ جلسہ کئی وجوہات سے نہایت ہی اہم تھا۔ اس سے پیشتر کبھی ایسا جلسہ منعقد نہ ہوا تھا۔ اس میں مسلمانوں کے تمام فرقوں نے حصہ لیا۔ اس میں مرد اور عورتیں شانہ بشانہ شریک تھیں۔ نوجوان سن رسیدہ بوڑھوں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ ماسٹر عبداللہ کی سیاسی دانشمندی اور تدبیر کا یہ سب سے اعلیٰ نمونہ تھا۔ اس روز تک میر واعظ یوسف شاہ کبھی خانقاہ معلےٰ میں نہ آیا تھا۔ جب تمام ذی عزت اور سربرآوردہ مسلمان جلسہ میں پہنچ چکے تھے۔ اور میر واعظ احمد اللہ ہمدانی کے علاوہ مولوی عبداللہ وکیل بھی سٹیج پر پہنچ چکے تھے۔ ماسٹر عبداللہ میر واعظ یوسف شاہ کو خوش آمدید کرنے کے لئے خانقاہ معلےٰ کی ڈیوڑھی تک آگے نکلے۔ میر واعظ کے آتے ہی حاضری جن کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ کھڑے ہوئے اور جھک جھک کر سلام علیک کرنے لگے۔ شیخ محمد عبداللہ نے مختصر لیکن پر معنی تقریر کی۔ جس میں آپ نے جلسے کی غرض وغایت لوگوں پر واضح کر دی۔ آپ نے حاضرین کو بتایا۔ کہ مسلمان قوم بیدار ہو رہی ہے۔ اور اپنے پیدائیشی حقوق کو ڈھونڈھ رہی ہے۔ اس وقت موقعہ ہے۔ کہ ہم آپس میں مل کر ایک دوسرے کی اعانت کریں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس موقعہ پر ہم نے حنفی۔ شیعہ۔ سنی۔ مرزائی۔ وہابی وغیرہ تفرقات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور اس پاک زیارت میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں پنڈتان کشمیر سے اپیل کی۔ کہ وہ بھی قوم

کے حقوق حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کا ہاتھ بٹائیں۔ وُہ تعلیمیافتہ ہیں۔
اور مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ وُہ بیدار مغز ہیں۔ اور ملکی معینوں کا استقبال
کرنا جانتے ہیں۔ کاش وُہ مسلمانوں کے خلوص کو جان کر اُن کے ساتھ مسادرِ
وطن کی آزادی کی پاک تحریک میں ہمارا ساتھ دیں۔ اِس تقریر کے بعد میر واعظ
یوسف شاہ نے اپنے جسم کے حریف مولوی عبد اللہ کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ اور
اعلان کر دیا۔ کہ چاہے آج تک آپس میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان
کچھ بھی رشتہ رہا ہو۔ اب آئندہ اسلام کی ننگ و ناموس بچانے اور اسلامیانِ
کشمیر کو حقوق دلانے کی خاطر ہم آپسمیں ایک ہو رہے ہیں۔ اور مرتے دم تک ایک
رہیں گے۔ وُہ کافر اور بے ایمان ہے۔ جو اِس میں رخنہ ڈالے۔ میر واعظ ہمدانی
اور مولوی عبد اللہ نے میر واعظ یوسف شاہ کی تقریر سے متفق ہوتے ہوئے
اپنی وفاداری اور خلوص دل کا اظہار کیا۔ اِس کے بعد مفصلہ ذیل سات
نمائیندوں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ جن کے نام مسٹر عشائی نے پڑھکر سنا دئے۔
(۱) خواجہ سید الدین شال۔ (۲) میر واعظ یوسف شاہ۔ (۳) میر واعظ احمد اللہ ہمدانی
(۴) آغا سید حسین شاہ جلالی۔ (۵) خواجہ غلام احمد عشائی۔ (۶) شیخ محمد عبد اللہ
(۷) مفتی شہاب الدین۔

جلسہ کے برخاست ہونے کے بعد نمائیندے زیارت کے ایک مکان
میں چائے نوش کرنے کے لئے چلے گئے۔ عبد القدیر جو اِس اثنا حاضرین کی
صف میں بیٹھکر اِس جلسے کی کارروائی دیکھتا تھا۔ پھر جذبات سے متاثر ہوا
اُس نے ذمہ دار کارکنوں کو اِدھر اُدھر جاتے دیکھکر اپنے دل کی چاہ پوری
کر دی۔ اور اُٹھکر حکومت اور ہندوؤں کے خلاف زہر اگل ڈالا۔ اُس نے

اپنی تقریر میں لوگوں سے کہا۔ کہ تمہیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے لاٹھی
اور پتھروں سے بھی کام لینا پڑے۔ تو پرواہ نہ کریں۔

۸ جولائی کے پہلے ہفتہ میں بارش کثرت میں ہونے کی وجہ سے کشمیر
میں سیلاب آگیا۔ اس لئے لوگوں کی تمام توجہ اسی طرف مبذول ہوگئی۔ شہر میں خوف
وہراس چھا گیا۔ اور ایجی ٹیشن عارضی طور سردہ پڑ گئی۔ جونہی سیلاب اُتر گیا حکومت
نے عبدالقدیر کو خانقاہ معلے کی تقریر کے لئے گرفتار کر لیا۔

گویا یہ جنگ کے لئے ایک اشارہ تھا۔ چند دنوں سے خفیہ جذبات
بھڑک اُٹھے۔ اور مسلمانوں کے اندر ایک برقی رو جاری ہوگئی۔ جس نے
اُن کو پہلے سے کئی گنا زیادہ مشتعل کر دیا۔ حالات پر قابو پانے کے لئے ۹ جولائی کو
مشیران ریاست نے مہاراجہ بہادر کی طرف سے ایک شاہی اعلان کروایا۔ اس
میں رعایا ریاست کے تالیف قلوب کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ اس عالمگیر تحریک
کو فرقہ وارانہ جھگڑا قرار دے کر بیرونی اثرات کا نتیجہ بتایا گیا تھا۔ "توہین قرآن"
اور "توہین خطبہ" وغیرہ وقوعہ جات کے متعلق کہا گیا۔ کہ اُن کا بڑا طوفان
بنایا گیا ہے۔ اور اُن کے متعلق غلط خبریں حدود ریاست کے اندر اور باہر
مشہور کی گئی ہیں۔ شاہی اعلان میں ایسے جملے درج تھے۔ کہ تحریک کا فی الحال
زیادہ اثر نہیں ہے۔ پولیس کو یقین دلانا چاہتا ہوں۔ کہ اُن کے فرائض
کی انجام دہی میں میں اور میری حکومت اُن کا ساتھ دیں گے۔ قانون کا
وقار ہر صورت میں قائم رکھا جائے"۔ وغیرہ شاہی اعلان میں ایسے
نیک خیالات کا اظہار بھی کیا گیا تھا۔ جو ایک ہمدرد حکمران کے شایان شان
تھے۔ لیکن اُن پر کبھی عمل نہ ہوا تھا۔ مہاراجہ بہادر نے فرمایا تھا۔ کہ

میری رعایا کا ادنےٰ سے ادنےٰ انسان میرے پاس براہِ راست اور آزادی
سے آسکتا ہے۔ اور میری رعایا کو جو شکایات ہوں۔ وُہ ذاتی طور میرے پاس
پیش کر سکتے ہیں۔ "میں اِس بات کا قایل نہیں ہوں۔ کہ محض رعب کی خاطر
صحیح کارروائی نہ کی جائے۔ کیونکہ میرے پاس منصفانہ کارروائی قوت کا اُٹھا
ہے۔ نہ کہ کمزوری کا"؎

شاہی اعلان نیک ارادوں سے پُر تھا۔ اِس میں دوگونہ پالیسی آشکارا تھی۔
محبت کے ساتھ خوف بھی دیا گیا تھا۔ ممکن تھا۔ اگر ایسا اعلان چند ماہ پیشتر کیا
گیا ہوتا۔ تو مسلمانوں کے لئے باعث تسکین ہوتا۔ لیکن اب حالات بالکل بگڑ
چکے ہوئے تھے۔ شاہی اعلان میں کوئی خاص مراعات عطا نہ کئے گئے تھے
مسلمان اِس سے ذرہ بھر بھی مطمئن نہ ہوئے۔

عبدالقدیر کی گرفتاری کی خبر سن کر مُسلم نوجوانوں نے جامع مسجد میں پروٹسٹ میٹنگ
کا اعلان کر دیا۔ اِس جلسے میں شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقاء نے مسلمانوں کو
حکومت کے خلاف خوب بھڑکایا۔ اُنہیں بتایا۔ کہ اہلکارانِ ریاست تمہارے ساتھ
ہمدردی رکھنے والوں کو اذیت پہنچانا چاہتی ہے۔ اِس لئے ہمارا فرض ہے۔ کہ اپنے
حقوق کو حاصل کرنے کے لئے ہر ایک قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ شیخ
محمد عبداللہ نے جہاں مسلمانوں کو حکومت سے بدظن کرا دیا۔ وہاں اُنہیں یہ بھی
تلقین کی۔ کہ غیر مسلموں خاصکر کشمیری پنڈتوں کے ساتھ تمہیں ہر طرح سے
برادرانہ سلوک کرنا چاہیئے۔ اور اُن کو اپنے بھائی سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ وُہ بھی
اُسی غلامی کا شکار ہوئے ہیں جس کا کہ تم۔ آپ نے تقریر ختم کرنے سے پہلے
حاضرین کو بتا دیا۔ کہ یہ اُن کی آخری ملاقات ہے۔ کیونکہ اب حکومت اُن

؎ سٹیٹ گزٹ مورخہ ۹ جولائی ۱۹۳۱ء

کو گرفتار کئے بنا نہیں رہے گی۔ عبدالقدیر کے خلاف عدالت میں مقدمہ کی
سماعت شروع ہوئی۔ تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں باہر صحن کے اندر جمع ہونے
لگے۔ باوجود پولیس کی حفاظت کے تصادم اور فساد پیدا ہونے کا احتمال پیدا
ہو گیا۔ اس لئے حکومت نے احکام جاری کر دئے۔ کہ اس مقدمہ کی کارروائی
سنٹرل جیل کے اندر پوشیدہ طور پر (en camra) کی جائے۔ جب ۱۲ جولائی
کے روز یہ احکام شائع ہوئے۔ تو مسلم نوجوانوں نے گاؤکدل کی مسجد میں جلسہ کا
اعلان کر دیا۔ اس جلسہ میں پوشیدہ طور کارروائی کئے جانے کے خلاف ریزولیوشن
پاس کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں پھر حکومت کی پالیسی پر کڑی نکتہ چینی
کی۔ اور ساتھ ہی لوگوں کو تنبیہ کی۔ کہ وہ سنٹرل جیل نہ جائیں۔ نہ کسی قسم کا
فساد پیدا کریں جس سے ملک میں بدامنی پھیلے۔ آپ نے لوگوں کو سمجھایا۔ کہ وہ
جیل ہی جانے کے لئے تیار رہیں۔ اور حکومت کے ساتھ مقابلہ کرنے
کے لئے ہر ایک قربانی دیں۔ لیکن جو بھی ہو پر امن طریقہ سے ہو۔ ایسا نہ ہو
کہ کسی غیر دانشمندانہ حرکت سے ایک بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔

فضا مکدر ہو چکی تھی۔۔ لیکن حکومت پھر بھی سمجھ رہی تھی۔ کہ حالات پُرسکون
ہو سکتے ہیں۔ ۱۳ جولائی کے روز عبدالقدیر کے مقدمہ کی سماعت سنٹرل جیل
میں ہوئی تھی۔ باوجود شیخ محمد عبداللہ کے تنبیہ کے ہزاروں مسلمان جیل کی
طرف چل پڑے اور جیل صحن کے باہر کھڑے رہے۔ سشن جج کے آنے پر
کئی مسلمانوں نے کوشش کی۔ کہ وہ بھی جیل صحن کے اندر چلے جائیں۔ کئی چلے
بھی گئے۔ مولوی عبداللہ ملزم کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کرنے آیا ہوا تھا
اُس نے لوگوں سے کہا۔ کہ یا تو وہ واپس چلے جائیں۔ یا پرامن طریقہ سے

باہر بیٹھے رہیں کیونکہ جیل کے اندر جانا ممنوع اور خلافِ قانون تھا۔ یہ سننے پر لوگوں نے جیل
دروازے پر حملہ کرنے کی بجائے باہر ہی رہنے پر اکتفا کیا۔ اس کے چند منٹ بعد
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جس کو فون پر ہجوم کے قابل اعتراض رویہ کی اطلاع دی گئی تھی
پہنچ گیا۔ اس نے ڈیوٹی پر تعینات شدہ پولیس افسران سے دریافت کیا۔ کہ جن
آدمیوں نے جیل صحن کے اندر جانے کی کوشش کی تھی۔ ان کو کیوں اسی وقت
زیر حراست نہ لیا گیا۔ اور یہ کہکر حکم دیا۔ کہ ان کو اب گرفتار کیا جائے۔ پولیس افسران
نے چند آدمیوں کو ہجوم سے گرفتار کر لیا جس سے ہجوم پھر بھڑک اٹھا۔ اور گرفتار شدہ
آدمیوں کے پیچھے دوڑنے لگا۔ اب حالات بہت ہی خطرناک صورت اختیار
کر گئے۔ ہجوم نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر دروازے کے اندر جانے کے لئے
دھاوا بول دیا۔ اور مطالبہ کیا۔ کہ گرفتار شدگان کو رہا کر دیا جائے۔ اور انہیں عبدالقدیر
کے مقدمہ کی کارروائی دیکھنے کی اجازت دی جائے۔ پولیس نے ہجوم کو روکنے کی
بہتیری کوشش کی۔ لیکن ان کی ایک نہ چلی۔ ہجوم نے پتھر پھینکے۔ ڈسٹرکٹ
مجسٹریٹ نے فائر کا حکم دیا۔ گورنمنٹ اور برٹش ریذیڈنٹ کے نوٹیفیکیشن کی
رو سے ہجوم نے پولیس گارد کے کوارٹروں کو آگ لگا دی۔ گولی چلائے
جانے سے نو آدمی مارے گئے۔ اور چالیس کے قریب زخمی ہو گئے۔ لیکن
جب زخمیوں کو ہسپتال لیا گیا۔ تو زخمیوں میں سے وہاں کئی مر گئے۔ ۲۶ جولائی
کے روز دیکھا گیا کہ جیل کے سلسلے میں گولی چلائے جانے سے کل اموات
۲۱ واقع ہوئی ہیں[۱]

جیل کا ہجوم منتشر ہوا۔ لیکن ان کے دل میں بدلہ لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا
حکومت سے وہ کیسے بدلہ لے سکتے تھے۔ کیونکہ حکومت ان کے سامنے

[۱] دیکھو ٹریبیون ۲۲ جولائی ۱۹۳۱ء۔ [۲] ایڈووکیٹ ۲۰ جولائی ۱۹۳۱ء

ہندو کا دوسرا نام تھا۔ کیونکہ جج ہندو تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہندو تھا۔ پولیس ہندو اور فوج کے سپاہی ڈوگرہ ہندو تھے۔ مہاراجہ کشمیر ہندو تھا۔ اس لئے ہجوم نے سمجھ لیا کہ یہ ہندو نے اُن پر گولی چلائی ہے۔ مسلم ہجوم شیخ محمد عبداللہ کی وہ نصیحت بھول گیا کہ ہندو ہماری طرح غلام ہے۔ اور سرکاری افسر کا کوئی مذہب نہیں۔ وہ مشینری کا پرزہ ہے۔ سنٹرل جیل سے ہجوم مہاراج گنج کی طرف چلا گیا۔ شہر میں ہڑتال ہو چکی تھی مسلمانوں نے ہمدردی کے طور پر اور ہندوؤں نے خوف کی وجہ سے :۔

حکومت کے نا قابل اہلکار ان دباؤ کی پالیسی جانتے تھے۔ لیکن اِن سے پیدا ہونے والے خطرناک حالات پر قابو پانا نہیں جانتے تھے۔ ہجوم نے اپنے ساتھ دو شدید زخمی بھی لے لئے۔ جن کو مہاراج گنج تک آگے آگے پہنچایا گیا۔ اِن زخمیوں کو دیکھکر لوگ ہر طرف سے مشتعل ہوئے جاتے تھے۔ جب ہجوم بوہری کدل کے نزدیک ہندو علاقہ میں پہنچا۔ تو ہندوؤں نے دوکانات بند کر دیئے۔ لیکن بتایا جاتا ہے کہ ایک پنجابی ہندو نے دوکان کھلا ہی رکھا۔ اور جب مسلمانوں نے اُس کو دوکان بند کرنے پر مجبور کیا۔ تو اُس نے پر ولٹ کی۔ اور چند طیش آور کلمات بھی کہے اِس پر کسی نے تجویز کی کہ ہندو دوکانداروں کو لوٹ لیا جائے۔ کئی فہمیدہ مسلمانوں نے ایسا نہ کرنے کی درخواست بھی کی تھی۔ لیکن مشتعل عنصر کا غلبہ ہونے کی وجہ سے اُن کی پیش نہ چلی۔ اور ہندو دکانوں کے دروازے توڑ کر مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ یا زمین پر بکھیر دیا گیا۔ اِس طرح نوشہرہ میں ہندو دوکانوں کو وچار ناگ میں ہندو گھروں کو لوٹ لیا گیا۔ یہ حال تین گھنٹے تک رہا۔ اور اِس عرصہ میں حکومت کی مشینری حرکت میں نہ آسکی۔

شیخ محمد عبداللہ اپنے مکان پر تھے۔ اور اُن کو اِس معاملہ کی متعلق

خبر نہ تھی۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ جب اُنہوں نے لوگوں کو ہدایت کی ہے۔ کہ وہ سنٹرل جیل جانے سے احتراز کریں۔ اُن کو خود بھی وہاں نہ جانا چاہیئے۔ دفعتاً چند والنٹیر جیل کا ماجرا سنانے کے لئے ہانپتے کانپتے آپ کے مکان پر آئے وہ دل جس نے آج تک کبھی سے خوف نہ کھایا تھا۔ دھڑکنے لگا۔ اور آپ محسوس کرنے لگے۔ کہ تحریک کشمیر کے اندر ناسور پیدا ہو گیا۔ اور جس بات کا خدشہ تھا۔ وہی ہو کر رہی۔ آپ نے عبدالرحیم کو ہجوم کے شانت کرانے اور اس مکروہ فعل سے باز آنے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن معاملہ تو اب عبدالرحیم تا کیا۔ کسی بھی انسان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اُس نے صرف لاشوں کو جامع مسجد میں بھجوا دیا۔ اور خود واپس چلا آیا۔

حکومت نے شہر میں فوج تعینات کر دی۔ لوٹ کے سلسلہ میں ۳۲۶ آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ جس میں سے ۲۱۷ آدمی وجوہات نہ ملنے کی بنا پر رہا کر دیئے گئے۔ لوٹ کی وجہ سے ہندو بہت مشتعل ہو گئے تھے۔ اور ہر ایک مسلمان کو بلا وجہ گرفتار کروا رہے تھے۔ تحریک کشمیر فرقہ وارانہ فسادات کا رنگ پکڑ گئی۔ شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقاء جامع مسجد کی طرف چلے گئے۔ جہاں اب سب نعشیں جمع کر لی گئیں تھیں۔ لوگ بھی مسجد کے اندر ہزاروں کی تعداد میں جمع تھے۔ مسلمان لاشوں کا جلوس نکال کر اُنہیں دفن کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حکومت اُن کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس لئے رات کو لوگ اور لاشیں مسجد کے اندر ہی رہیں۔ اسی رات کو حکومت نے جموں سے آمدہ تین نمائندوں چوہدری عباس۔ قاضی گوہر۔ اور مستری یعقوب کو گرفتار کر لیا۔

(رسالہ گورنمنٹ گزٹ کشمیر مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۳۱ء)

۱۴ جولائی کے روز جامع مسجد کو ملٹری نے گھیر لیا۔ اور بریگیڈیر لینڈ مسجد کے اندر چلا آیا۔ آتے ہی اُس نے دریافت کیا۔ کہ عبداللہ کون ہے۔ اور اُس کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ اِس کے بعد شیخ محمد عبداللہ کو ایک ملٹری لاری میں بٹھا کر بادامی باغ چھاؤنی میں لایا گیا۔ جہاں اُس کو کوارٹر گارڈ کے کمرے میں رکھا گیا۔ جموں کے نمائیندے یہاں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

ملٹری کوارٹر گارڈ میں قیدیوں کے لئے نہ کوئی بستر تھا نہ کمبل۔ اِس لئے جب رات آ گئی۔ تو اُنہوں نے اپنے کوٹ فرش کی اینٹوں پر پھیلا دئے۔ اور اُن سے بستر کا کام لیا۔ جوتیوں کو نکال کر اُن کو سرہانے کی جگہ رکھ لیا۔ کھانا جو دیا گیا۔ وہ بالکل ناتسلی بخش تھا۔ لیکن وہ سب اِس کے لئے تیار تھے۔ اِسی روز غلام نبی گلگار کو بھی گرفتار کر کے اِس جگہ لایا گیا۔ شاہی قیدی ابھی اِس بات کے لئے دل ہی دل میں شکر بجا لا رہے تھے۔ کہ اُن کو کم سے کم اِس مصیبت میں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ کہ جیل کو ٹھڑی کا دروازہ کھلا اور اُن کو حکم سنایا گیا۔ کہ کشمیری قیدی جموں قیدیوں سے الگ کر دئے جاویں۔ یہ بات شاق تو ضرور ہی گذری۔ لیکن ہرچہ باداباد کے مصداق شیخ محمد عبداللہ اور غلام نبی گلکار دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

۱۵ جولائی کو عبدالرحیم بھی گرفتار کر کے بادامی باغ لایا گیا۔ اور کشمیری قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا۔ اب اِن کے لئے بستر کا انتظام ہونے لگا تھا۔ لیکن خوراک اچھی نہ ملتی تھی۔ جس پر شیخ محمد عبداللہ کی تجویز سے شاہی قیدیوں نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ اِس کا حکومت پر بڑا اثر پڑا۔ اور حسب منشا خوراک ملنے کے احکام جاری کر دئے گئے۔

شہر میں فرقہ وارانہ فسادات دن پر شروع ہو گئے۔ فوراً بازاروں میں لوگ جمع ہو گئے۔ فساد کا خطرہ لاحق ہوا۔ تو فوج نے گولی چلائی جس کی وجہ سے پانچ مر گئے۔ اور پندرہ زخمی ہوئے۔ کسی جگہ بھی دو آدمیوں کو جمع ہونے نہیں دیا جاتا تھا خوف و ہراس اتنا پیدا ہو گیا تھا۔ جو احاطہ تحریر سے باہر تھا۔ کالج۔ سکول۔ بنک۔ دفاتر پوسٹ آفس سب بند ہو گئے تھے۔ ہر جگہ مکمل ہڑتال تھی۔ وچار ناگ کے پاس بھی ہجوم نے فوج سے بندوقیں چھین لیں جس سے پھر گولی چلانی پڑی۔

اخبار ٹربیون کے نامہ نگار کا بیان ہے۔ کہ لوگ گھروں کے اندر رہتے تھے لیکن باہر نہیں آ سکتے تھے۔ کسی قسم کی ترکاری بھی کھانے کے لئے نہ ملتی تھی۔ باہر کی ڈاک سرینگر پہنچی تھی لیکن تقسیم نہ کی جا سکتی تھی۔ ٹن اور بارہمولہ میں بھی فسادات ہو گئے۔

وادیٔ کشمیر کے تمام شہر، قصبوں اور گاؤں گاموں میں مکمل ہڑتال کر دی گئی مسلمانوں نے شیخ محمد عبداللہ اور اس کے رفقاء کی گرفتاری کے طور پر۔ ہندوؤں نے خوف کی وجہ سے ہندو مسلم علاقہ سے نہ گزر سکتا تھا۔ اور مسلمان ہندو علاقہ سے نہ گزر سکتا تھا۔ وادی کشمیر میں آ گیا وہاں سے واپس نکلنا ناممکن ہو گیا ۲۰ جولائی تک جموں و سرینگر کے درمیان ٹریفک بند رہا۔ تین ہندو مارے گئے اور ۱۶۳ زخمی ہوئے۔ حکومت نے فسادات کی وجوہات جاننے۔ اور آئندہ ان کا سدباب کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ جسکے چیف ہائی کورٹ جج جان کے علاوہ دو غیر سرکاری ممبر بھی نامزد کئے گئے۔ مسلم ممبر مولوی عبدالاحد وکیل بنایا گیا۔ لیکن اس نے تعاون سے انکار کیا۔ اس کے بعد خواجہ غلام احمد عشائی اور خواجہ سعید الدین شال نامزد کئے گئے لیکن انہوں نے بھی استعفیٰ پیش کیا۔ کیونکہ ہر طرف سے

سے اخبار ٹربیون مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۳۱ء

یہی مطالبہ ہو رہا تھا۔ کہ جب تک شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقاء رہا نہ کیے
جائیں۔ مسلمان کسی بھی کام میں تعاون نہ کریں گے۔

تواریخ کشمیر میں یہ پہلا موقع تھا۔ جب لوگوں نے ہڑتال کر کے
کاروبار بند کر دیا تھا۔ آج تک صرف شاہی خاندان میں ماتم ہو جانے پر ہڑتال
کروایا جاتا تھا۔ لیکن اب ایک قومی کاز کے لئے مکمل ہڑتال کر دی گئی
تھی۔ اور ہڑتال بھی ایسی تھی۔ کہ روز بروز دوکانوں کا کھولا جانا مشکل ترین بن جاتا
تھا۔ حکومت کے افسران نے بہتیرا زور لگایا۔ کہ لوگوں کے اندر جوش دور ہو
جائے۔ اور وہ اپنے کام میں حسب معمول لگ جائیں۔ لیکن ایسا ہونا تھا نہ ہوا
ہڑتالیں والنٹیروں کے جلوس۔ بچوں کے جلوس۔ اور عورتوں کے جلوس کی خبریں
لمحہ بہ لمحہ ہر طرف سے آ رہی تھیں۔ لاٹھی چارج بہت دفعہ ہوئے۔ دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیا
گیا تھا۔ لیکن اس کی ہر طرف سے خلاف ورزی ہو رہی تھی۔ جب لوگوں سے
پوچھا جا رہا تھا۔ کہ وہ کیوں ہڑتال کر بیٹھے ہیں۔ اور وہ اس کو کب کھولیں گے
تو ہر طرف سے یہی جواب ملتا تھا۔ کہ جب ماسٹر عبداللہ کو رہا کر دیا جائیگا۔ اور وہ حکم دیگا

ان حالات کے درمیان حکومت نے شیخ محمد عبداللہ کو بادامی باغ میں مقید
رکھنا خالی از خطرہ نہ سمجھا۔ اُن کو اندیشہ پیدا ہوا۔ کہ کہیں ہجوم کسی وقت چھاؤنی پر
بھی دھاوا نہ بول دے۔ اس لئے ۲۰ جولائی رات ایک بجے کے قریب شاہی
قیدیوں کو مست نیند سے بیدار کیا گیا۔ اور اُنھیں ایک ملٹری لاری میں بٹھا کر
قلعہ ہری پربت کی طرف لے گئے۔ رات کی اُس اندھیری میں بھی جب خاموشی سے
یہ طریقہ اپنایا گیا تھا۔ حکومت نے عبداللہ کی ہر دلعزیزی کے خوف سے
بادامی باغ سے لیکر ہاری پربت تک سڑک کی دونوں جانب فوج کے سپاہیوں

کوہنڈو میں نیکر تعینات کر رکھا تھا۔ ہاری پربت پہنچ کر سپاہی قیدیوں کو نیچے
اُتار لایا گیا۔ اور اُن کے دونوں بازوؤں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔ ہاری پربت
کی چوٹی پر جب وہ قلعہ کے اندر داخل ہوئے۔ تو سب انسپکٹر پولیس نے کشمیری
قیدیوں کو جموں کے قیدیوں سے الگ کر دیا۔ اور ایک اندھیری کوٹھڑی
کے دروازے پر جا کر دریافت کیا۔ کہ اب کون پہلے اندر جانا چاہتا ہے۔
اس ہمت شکن بات کو سن کر ان نوجوانوں کے حوصلے پست ہو گئے وہ
سمجھنے لگے۔ کہ اب آخری وقت آن پہنچا ہے۔ اور ان کو ایک ایک کر کے
اُس کوٹھڑی کے اندر گولی سے اُڑا دیا جائیگا۔ اس لئے پولیس آفیسر نے
اُن سے پوچھ لیا ہے۔ کہ کون اندر جانا چاہتا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ نے
یہ حالت دیکھکر اپنے ساتھیوں کو مخاطب ہو کر کہا۔ "دنیا میں انسان
کو ایک نہ ایک دن مرنا ہی ہوتا ہے۔ پس اس بات سے ایمان والے نہیں
ڈرا کرتے۔ کہ ہم آج مرتے ہیں۔ کہ کل۔ ہمیں اس بات کی خوشی ہے۔ کہ ہم
اپنی زندگی کو قوم پر نثار کرتے ہیں۔ اور سسک سسک کر غلاموں کی طرح نہیں
مرتے۔ مجھے پوری اُمید ہے۔ کہ اس قربانی سے ہمارا وہ مقصد پورا ہو
گا۔ جس کے لئے ہم نے اپنی تحریک کو شروع کر رکھا ہے۔ اس تقریر کے بعد
قیدی چند لمحات کے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اور پھر غلام نبی
گلکار نے ثبات سے کام لیکر کہا۔ اور جو مرنا ہے تو دنیا میں ایک ہی دفعہ
ہے بزدلی کی طرح زندہ رہنے سے دلاوری کی موت مرنا بہتر ہے۔ میں سب
سے پہلے اندر جا رہا ہوں۔ آپ میرے پیچھے آئیں۔" سنگ دل سب انسپکٹر
پولیس یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لیکن ان غریب ہموطنوں کے تکلوک

رفع کرنے کے لئے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتا تھا۔ غلام نبی اندر گیا۔ تو
سب انسپکٹر نے دوسرے آدمی کو اندر جانے کے لئے کہا۔ اس سے غلط فہمی
دور ہوگئی۔ اور قیدی سمجھ گئے۔ کہ وہ گولی سے اڑائے جانے کے لئے نہیں
بلکہ قید کرنے کے لئے اندر بھیجے جا رہے ہیں۔ کوٹھڑی تاریک تھی دروازے
کے سوا کوئی اور روشندان نہ تھا۔ زمین گیلی تھی۔ بستر کا کوئی انتظام نہ تھا
یہاں بھی کشمیر کے قیدی جموں کے قیدیوں سے الگ رکھے گئے
سردی کی وجہ سے رات کو شیخ محمد عبداللہ بیمار ہوگیا۔ اور صبح اُن کے
علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر بلایا گیا۔ مہاراجہ بہادر نے احکام جاری کر
دئے۔ کہ شاہی قیدیوں کو حسب منشا خوراک وغیرہ ملنا چاہیئے۔
باہر کیا ہو رہا تھا۔ اس کے متعلق قیدیوں کو کچھ علم نہ تھا۔ اُن کو
اخبارات مطالعہ کے لئے ملا کرتے تھے۔ لیکن ان میں کشمیر کی خبریں کاٹ
دی جایا کرتی تھیں۔ لیکن وہ اپنے نشے میں مست تھے۔ اور سمجھتے تھے۔ کہ ہم نے
اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اُن کے اخلاق حسنہ سے فوج کے ڈوگرہ ہندو سپاہی بھی
اُن کے گرویدہ بنے۔ اور اُن کی آرام و آسایش کے سامان مہیا کرنے میں دلچسپی
کا اظہار کرتے تھے۔ مفصلات سے جو اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ وہ ہر طرح سے
حوصلہ شکن تھیں۔ کوئی قصبہ نہیں تھا۔ گاؤں نہیں تھا جہاں لوگ مشتعل نہیں
ہوئے تھے۔ ورنگم پل جو سرینگر سے ۴۵ میل کے فاصلے پر جموں جانے والی
سڑک پر واقع ہے۔ ایک رات کو نذر آتش کر دیا گیا۔ خیال کیا جاتا تھا۔ کہ یہ
ایک باقاعدہ کارستانی کا شاخسانہ تھا۔ کئی ہندو زخمی کئے گئے۔

مسلمان تو اراکین حکومت کے خلاف تھے ہی۔ ہندوؤں نے بھی

مہاراجہ بہادر کو مشیران حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تاریں اور قرار دادیں بھیجنی شروع کر دیں۔ ہندوؤں کے دلوں میں یہ خیال مستقل ہونے لگا۔ کہ ریاست میں فرقہ وارانہ فسادات مسٹر ویکفیلڈ کی شرارت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کشمیری پنڈتوں نے مہاراجہ بہادر سے پُرزور اپیل کی۔ کہ اس کو وزارت سے ہٹایا جاوے چنانچہ ہندوؤں کی دلجوئی کی خاطر اس کو اپنے عہدہ سے سبکدوش کیا گیا۔

مہاراجہ بہادر نے اب دیکھ لیا۔ کہ موجودہ مشیران ریاست میں سے کوئی شخص بھی اتنا قابل نہیں۔ کہ حالات پر قابو پا سکے۔ اور ملک میں امن قائم کر سکے۔ وہ برطانوی حکومت کی مداخلت نہیں چاہتے تھے۔ ان کی ابتدا سے ہی رائے رہی ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے۔ اپنی رعایا کی دلجمعی سے حکومت کی جائے۔ اور ایسی وجوہات نہ پیدا ہونے پائیں جن سے حکومت ہند کی امداد حاصل کرنی پڑے۔ لیکن مشیران حکومت کی لاپرواہی اور ناقابلیت سے گورنمنٹ کی مشینری کے پُرزے ڈھیلے پڑ گئے۔ ان کو مضبوط کرنا ضروری تھا۔ اس لئے انہوں نے کسی قابل اور تجربہ کار آفیسر کی تلاش کی جو حکومت کے منتشر شیرازہ کو یکجا کر سکے۔ ان کی نظر راجہ ہری کشن کول پر پڑی۔ اور اس کو ۲۵ جولائی کے روز ابتدا میں حضور منسٹر مقرر کیا لیکن بعد میں وزیر اعظم کے نہایت ہی ذمہ دار اور ذمہ دار عہدے پر مامور کر دیا۔

راجہ ہری کشن کول نے جب عہدے کا چارج لیا۔ تو کشمیری ہندو اور بہت سے خیر خواہان ریاست جو ان کے گذشتہ کارہائے نمایاں کو جانتے تھے بہت خوش ہوئے۔ ان کو یقین ہوا۔ کہ اب کشمیر میں آناً فاناً امن قائم ہو جائیگا۔ لیکن ان کی یہ امیدیں بارور ثابت نہ ہوئیں۔ کیونکہ حالات ریاست میں اس قدر بگڑ چکے تھے کہ ان کا سنبھالنا کوئی آسان معاملہ نہ تھا۔ راجہ ہری کشن کول نے بہتیری کوشش

کی۔ کہ وہ اپنے فرائض کو بوجہ احسن پورا کر رہے ہے۔ اور ہر ایک فرقے سے منصفانہ سلوک ہو۔ لیکن صرف اُن کا کشمیری پنڈت ہونا۔ اُن کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرتا رہا۔ بلکہ اُن کے اِردگرد چند سرکاری اور غیر سرکاری شخصیتیں تھیں۔ جن کے مشورہ پر چلکر وہ بسا اوقات غلطی کھا جایا کرتے تھے۔ تو اُن کا کام بگڑ جاتا تھا۔

راجہ ہری کشن کول نے چارج لیتے ہی دوگونہ پالیسی اختیار کی۔ اُس نے دیکھا۔ کہ مسلمانوں کو دبایا جانا آسان کام نہیں۔ وہ اِس وقت اتنے مشتعل ہو چکے ہیں۔ کہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان کارزار میں نکل پڑے ہیں۔ اور وہ اِس بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ کہ کتنی جانیں اِس جنگ میں تلف ہو جائیں گی۔ اِس لئے اُنہوں نے یہی بہتر سمجھا۔ کہ نمائیندگان سے سمجھوتہ کی کوشش کی جائے۔ ایسا کرنے کے لئے اُس نے مختلف ذمہ دار آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ لیکن مسلمانوں کی طرف سے یہی جواب ملتا گیا۔ کہ شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے دیگر رفقاء جو ہاری پربت کے قلعہ میں محصور ہیں۔ صلح کرا سکتے ہیں۔ اور کوئی نہیں۔ شہر اور قصبہ جات میں ہڑتال بدستور تھی۔ دیہات سے اطلاعات ناامیدی کے سوا اور کچھ ظاہر نہ کرتی تھیں۔ گو فوج ہر جگہ تعینات کی گئی تھی۔ لیکن یہ صاف تھا۔ کہ فوج کے ہٹائے جانے کی دیر ہے۔ کہ ملک میں ایک زبردست انقلاب رونما ہو گیا اور فوج کو کتنے عرصہ کے لئے ملک میں بٹھایا نہ رکھا جا سکتا تھا۔ ایسا امن بھی حکومت کے لئے قابل ستائش کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ جو فوج کے خوف سے قائم رکھا جائے۔ اِن باتوں کو زیر غور رکھنے پر راجہ ہری کشن کول مجبور ہوا۔ کہ قلعہ ہاری پربت کے اندر سمجھوتہ ڈھونڈے۔ ایسا کرنے کیلئے اُس نے خواجہ نور شاہ نقشبندی

تحصیلدار۔ خواجہ غلام احمد عشائی۔ میر واعظ یوسف شاہ۔ مولوی عبد اللہ اور پنڈت رگھناتھ سُو تحصیلدار کو شاہی قیدیوں کے پاس روانہ کر دیا۔ تاکہ ان کو رہا کرنے سے پیشتر اس بات پر رضامند کیا جائے۔ کہ وہ حکومت کے خلاف کوئی تقریر نہ کریں گے۔ اور ملک کے امن کو درہم و برہم نہ کریں گے۔

جب یہ حضرات قلعہ کے اندر چلے گئے۔ تو انہوں نے قیدیوں کے سامنے یہ شرائط رکھدیں۔ شیخ محمد عبد اللہ نے صاف صاف بتادیا۔ کہ وہ ایسی شرط پر نکلنے کو تیار نہیں۔

"ہم نے کبھی کوئی غیر آئینی کام نہیں کیا۔ نہ ہم ایسا آئندہ کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں سے انصاف کیا جائے۔ اور اُن کو جو حقوق بحیثیت شہریوں کے اس ملک میں حاصل ہونے چاہئیں۔ اب اُن کو مل جائیں۔ اگر ایسے پُر امن طریقہ سے مطالبات کا حاصل کرنا۔ یا اُن کے لئے چیخ و پکار کرنا خلاف قانون ہے۔ تو ہم اس جرم کے مجرم ہیں۔ اور ایسا ہر وقت کرتے رہیں گے"۔ باقی قیدیوں نے بھی شیخ محمد عبد اللہ کے ساتھ اتفاق کیا۔

ایک طرف یہ ہو رہا تھا۔ تو دوسری طرف راجہ سری کشن کول نے شاہی اعلان کروا دیا جس میں درج تھا۔ "چونکہ چند گمراہ ہوئے بدمعاشوں نے لوٹ مار غارت گری و قتل کر کے سرینگر میں فساد برپا کئے ہیں۔ اور شہر کے امن کو برہم کر دیا ہے۔ جسکے فسادات کو دبانے کیلئے فوج کی امداد حاصل کرنی پڑی۔ اور چونکہ دیہات میں بھی ایسے ہی بدمعاشوں کی حرکات کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ اس لئے مہاراجہ بہادر نے اعلان فرمایا ہے۔ کہ اُن کی رعایا جو فطرت سے ہی امن پسند ہے۔ ان اثرات بد سے محفوظ ہے

گناہ کو ترک کرے۔ اور یہ امن شہریوں کی طرح رہے۔ جس طرح وہ آج تک رہتے آئے ہیں۔ اُن کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ کہ مہاراجہ بہادر کی حکومت ویسے ذرائع اختیار کر رہی ہے جس سے پچھلے واقعات کا سدباب ہو سکے۔ اور مستقبل میں بھی کوئی حادثہ پیش نہ آئے۔ اور تمام قانون شکنی کے خلاف سخت کارروائی کی جاویگی"۔

اِس شاہی اعلان کا بظاہر کوئی اثر نہ ہوا۔ ہڑتال جاری رہی۔ جلسے۔ جلوس، اور دیگر مظاہرے ہوتے رہے۔ اور یہ صاف دکھائی دینے لگا۔ کہ ملک میں امن کی ضرورت ہے۔ تو محمد عبداللہ اور اُس کے ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے۔

جب قیدی کسی طرح سے بھی کوئی (Under.Taking) دینے پر راضی نہ ہوئے۔ تو حکومت نے یہی غنیمت سمجھا کہ وہ ایک تحریر لکھ دیں جسمیں درج ہو کہ وہ کسی غیر آئینی طریقہ پر اپنے مطالبات کے لئے جد وجہد نہ کریں گے البتہ کرنے میں قیدیوں کو کوئی عذر نہ تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اُن کو یکم اگست کے روز رہا کر دیا گیا۔

دوسری گرفتاری اور رہائی

شاہی قیدیوں کی رہائی مسلم نوجوانوں کی پہلی فتح تھی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اس رہائی سے مسلمانانِ کشمیر کو کوئی ٹھوس فایدہ حاصل نہ ہوا۔ اُن کی اقتصادی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اُن کی رنجشات و شکایات بدستور رہیں۔ اُن کی تعلیمی پستی ویسی ہی رہی۔ اُن کے نوجوان جو تعلیمیافتہ ہو چکے تھے۔ ملازمتِ سرکار سے ویسے ہی محروم تھے۔ جیسے کہ اس سے بیشتر۔ لیکن اب اُنھوں نے حکومت اور غیر مسلم فرقوں پر یہ ثابت کر دیا۔ کہ مسلمان تو تعداد کی بدولت ہی صرف اِس ملک میں کئی حقوق حاصل ہیں۔ جن سے وُہ محروم نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ حکومت ہمیشہ کے لئے اُس کو بھلا نہیں سکتی۔ نہ اُس کی آواز کو بائے استحقار سے ٹھکرا سکتی ہے۔ مسلمان۔ وہ مسلمان جن کو بیرونِ کشمیر "ہتو" کے حقارت آمیز نام سے پکارا جاتا تھا۔ وُہ جس کے ساتھ اپنے وطن میں بے زبان بھیڑ۔ بکریوں کی طرح سلوک کیا جاتا تھا۔ اب ایک مُعمہ بن گیا۔ اُس کو خوش کرنا اُس کی رائے کو جایز وقعت دینا ضروری اور لابدی ہو اُٹھا۔ یہ ایک انقلاب تھا۔ جو دیکھتے دیکھتے ملک میں بپا ہو گیا۔

اُس کے ہموطن جانتے تھے۔ کہ اُن کو خفتگی کی حالت سے بیدار کرنے والا ایک بندۂ خدا ہے جس نے سب سے پہلے اِس پُرخطر وادی میں قدم رکھکر حملہ مصائب کا مقابلہ کرتے ہوئے۔ اُن کے لئے سب کچھ قربان کر

دیا تھا۔ اُس کے رفقارِ کار اِس حقیقت سے واقفیت نہ رکھتے تھے۔ کہ کشمکش
کی ابتدا سے لیکر اُس وقت تک جب وُہ قلعہ کی چار دیواری سے رہا ہو کر آئے
وُہ جس کے پائے استقلال نے اُن کی ہمّت میں کوئی فرق نہ آنے دیا جس نے
موت کو سامنے دیکھکر بھی اپنے مقصد وحید کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا
وہ ایک شیخ محمد عبداللہ تھا۔ اب اُس کو ماسٹر عبداللہ کہ کر پکارنا اُس کی ہتک
اپنی بےعزتی تھی۔ اِس لئے لاکھوں لوگوں کے اِس ستارے کو اُنہوں نے بل گردہ
"شیرِ کشمیر" کا لقب اپنے دل کی گہرائیوں سے نکال کر دے دیا۔ شہر کی گلیوں
کوچوں میں، محلوں کے باغوں کے اندر، گاؤں کے سبزہ زاروں پر۔ دریائے جہلم
کے کناروں پر۔ قصبوں میں، شہروں میں بنوں میں۔ اور جنگلوں میں۔ غرضیکہ ریاست
کے چپہ چپہ میں اب شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ لوگ اُس کے
دیدار کے مشتاق تھے۔ جنہوں نے قید ہونے سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ وُہ بھی پھر
ایسے عاشق ہو گئے تھے۔ گویا اُنہوں نے دیکھا بھی نہ تھا۔ سچ پوچھئے قلعہ میں چند یوم
قیام کرنے سے اُس کی شخصیت انسانی جامہ چھوڑ کر روحانی لباس میں ملبوس ہو چکی
تھی۔ عورتیں۔ مرد۔ اور بچے راہ چلتے یا گھر کا کام کرتے شیرِ کشمیر زندہ باد
کے نعرے لگاتے تھے۔ اور لطف اُٹھاتے تھے۔ کشمیری پنڈت بھی جو لوٹ
کی وجہ سے آپ سے نفرت کرنے لگے تھے۔ یہ دیکھنا چاہتے تھے۔ کہ وُہ
کونسی ہستی ہے جس نے خفتہ کشمیر کو دنوں کے اندر جگا دیا۔ آپ کا مکان اِن حالات
کے درمیان ایک زیارت گاہ بن گیا تھا۔ اور لوگ سینکڑوں کی تعداد میں بشوقِ
دیدار آنے شروع ہو گئے۔

۱۷ر اگست کی شام کو جامع مسجد میں شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے

بعد پہلی تقریر سننے کے لئے جو خلقت جمع ہو گئی تھی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس کی تعداد تیس ہزار سے کم نہ تھی۔ "تاریخ کشمیر" کے مصنف نے لکھا ہے۔ کہ تلاوت قرآن شریف کے بعد شیخ صاحب نے حاضرین سے کہا:۔

"مسلمانوں کو یہ امانت ورثہ میں ملی ہے۔ کہ مصیبت کا صبر کے ساتھ مقابلہ کریں۔ انبیا علیہم السلام کے مصائب اور صبر ایوب کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ کہ جیل میں بھی مجھے آپ لوگوں کی ہی فکر تھی۔ اور ڈر تھا۔ کہ اپنی سادگی اور کمی تعلیم کی وجہ سے آپ کسی پھندے میں نہ پھنسا لئے جائیں۔ شہدا کے خون نے ہماری تحریک کی بنیادیں پتھر سے زیادہ مضبوط بنا دی ہیں۔ اور ہم مہاراجہ بہادر کے وفادار ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ انہیں بیجا تکلیف دیں۔ لیکن ہم اپنے مطالبات پیش کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کریں گے خواہ اس کے عوض ہمیں تختۂ دار پر ہی کیوں نہ کھینچا جائے"۔

حکومت کشمیر نے شیخ محمد عبداللہ کو رہا کرنے کے وقت یکم اگست کو مفصلہ ذیل بیان شایع کر دیا۔

"پچھلے ہفتہ سے سرینگر اور ریاست کے حالات رو بہ ترقی ہیں۔ بدھوار ۲۲ جولائی کے روز دوکانات کھل گئے۔ اور لوٹ شدہ دوکانات کے سوا جنکی مرمت ہو رہی ہے۔ باقی حالات حسب معمول ہیں۔ قصبہ جات سے بھی تسلی بخش اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔ بہت سی تاریں جن میں وفاداری کے جذبات اور خدمات پیش کی گئی ہیں۔ موصول ہوئی ہیں۔ جاگیرداروں نے اپنے آپ کو مہاراجہ بہادر کی ذاتی خدمات کے لئے بھی پیش کیا ہے۔ ہندو اور مسلم جاگیرداروں کی مشترکہ میٹنگ میں انہوں نے درخواست دی ہے جس میں لکھا ہے۔ کہ وہ خلاف قانون حرکات کے دبانے کے لئے ہر طرح امداد دینے کے لئے تیار ہیں۔

کشمیر کے تین اور جموں کے تین آدمیوں کو جو ۱۳ جولائی کے فسادات کے سلسلے میں گرفتار کئے گئے تھے۔ مہاراجہ بہادر کے حکم سے اس شرط پر رہا کر دیا گیا۔ کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں گے۔ جس سے بدامنی پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ یا مختلف فرقہ جات کے درمیان جذبہ نفرت پھیلے۔ اُنہوں نے امن کے قائم کرنے کے لئے وعدہ دیا ہے

چند مسلمانوں نے مہاراجہ بہادر کے پاس گذارش کی ہے۔ کہ اُن کو چند معروضات پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔ مہاراجہ بہادر نے ۶ اگست کو اُن کا وفد پیش ہونے اور اُن کی معروضات سننے کے لئے مقرر کر دیا ہے ۔ ؎

ہم حکومت کے اس بیان پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ کہ یہ کس حد تک صحیح حالات پر مبنی تھا۔ اور اس میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ صرف عوام کو دھوکا دینے کے لئے درج کئے گئے تھے۔ لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ حکومت نے اس بیان کے آخیر پر جن چند مسلمانوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ کوئی بھی نہ تھے۔ بلکہ شاہی قیدیوں نے رہا ہونے سے پیشتر اس بات پر زور دیا تھا۔ کہ اگر حکومت اِن کو صرف اس وجہ سے رہا کرتی ہے۔ کہ مسلمان باہر چین لینے نہیں دیتے۔ اور اس رہائی سے حالات پُرسکون ہو جائیں گے۔ تو یہ ایک نازش غلطی ہے۔ کیونکہ جب تک مسلمانوں کے مطالبات منظور نہ کئے جائیں گے۔ ملک کی حالت بدستور مخدوش رہے گی۔ حکومت نے اس کے جواب میں اُنہیں کہا تھا۔ کہ وہ رہا ہو کر اپنی معروضات مہاراجہ بہادر کے گوش گذار کر دیں۔ اُن پر ہر طرح سے ہمدردانہ غور ہوگا۔ ایسا کرنے کے لئے ۱۶ اگست مقرر کر دیا گیا تھا جس دن راجہ ہری کشن کول نے اُنہیں ایک وفد مہاراجہ بہادر کو پیش کرنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن ۷ اگست کے روز دو مسلم نمائندوں نے راجہ صاحب کے پاس جا کر استفسار کیا۔ کہ یہ

؎ اخبار ٹربیون مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۱ء

تاریخ بدل دی جائے۔ اُن کو چند دن اور فرصت ملے۔ اِس عرضداشت کو مدِنظر رکھکر مہاراجہ بہادر نے ۱۰ اگست کی تاریخ مقرر کردی سلہ

۱۳ جولائی کے بعد ہی اُن تمام مسلمانوں نے جو ریاست کشمیر کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی دلچسپی رکھتے تھے مسلمانانِ کشمیر کے ساتھ ہمدردی کرنے اور اُن کو مالی۔ قلمی اور اخلاقی امداد بہم پہنچانے کی غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی تھی اس کا نام آل انڈیا کشمیر کمیٹی ہے۔ اِس کمیٹی کے جملہ ممبران میں مرزا بشیر محمود احمد اور سر محمد اقبال کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ کچھ تو حکومتِ ہند کی مُسلم نواز پالیسی کی وجہ سے اور کچھ دلیسی کی حکومت کی ناقابلیت کو اقوامِ عالم پر ظاہر کرنے کی نیت سے اینگلو انڈین پریس نے اس کمیٹی کو بہت امداد دی۔ اور مہاراجہ بہادر اور اُس کے ارکانِ حکومت کے خلاف شدید ترین پروپیگنڈا کیا جن کو روکنا حکومتِ کشمیر کے لئے بہت مشکل بن گیا۔ اِس پروپیگنڈا کو جس ایک طریقہ سے روکا جا سکتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے جائز مطالبات کو منظور کیا جانا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہم ابھی دیکھینگے راجہ ہری کِشن کول کی حکومت نے اِس طریقۂ کار کو عمل میں نہ لایا۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا کام دیکھتے دیکھتے اہم بن گیا۔ اور یہ کمیٹی مسلمانانِ کشمیر میں خصوصاً اور مسلمانانِ ہند میں عموماً ہر دلعزیز بن گئی۔ اِس کمیٹی میں قادیانی بھی ممبر تھے۔ اور غیر قادیانی بھی لیکن اِس کے صدر مرزا بشیر محمود احمد تھے۔ اِس لئے مسلمانانِ پنجاب کا وہ طبقہ جو قادیانیوں کے مذہبی عقائد سے اختلاف رکھتا تھا یہ پروپیگنڈا کرنے لگا۔ کہ کشمیر کمیٹی کے زیرِ سایہ کام کر کے قادیانی کشمیر میں مذہبی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔ مرزا صاحب کے ایک مکتوب نے جو اُنہوں نے مسلمانانِ عالم کے نام لکھی تھی۔ اِس خیال کو تقویت دی۔ اور احراریوں نے

ماہ اگست کے اندر مسلمانان کشمیر کو امداد دینے کی غرض سے اپنا علیحدہ نظام بنا دیا۔ قادیانی آئینی طریق پر کام کرنے کے خواہشمند تھے۔ لیکن احراری جنہوں نے کبھی وقت کانگریس کے ساتھ مل کر کام کیا تھا۔ ریاست کشمیر میں والنٹیروں کے جتھے بھیجکر حکومت کشمیر کو مطالبات منظور کرانا چاہتے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے بعد کشمیر کمیٹی نے مہاراجہ بہادر کو ایک تار دیا کہ اُن کے وفد کو کشمیر آنے کی اجازت دی جائے۔ تاکہ وُہ کشمیر کے حالات بچشم خود دیکھ لیں۔ اور پھر مسلمانانِ عالم کو تسلّی دے سکیں۔ مہاراجہ بہادر نے اپنے ایک شاہی اعلان میں فرمایا تھا۔ کہ "ریاست کے باہر کے جو اصحاب ہیں۔ چاہے وُہ ہندو ہوں یا مسلمان اُن سے میری استدعا ہے۔ کہ وُہ میری ریاست اور میری رعایا کے معاملات میں کسی طرح دخل نہ دیں۔ جیسے کہ میں اِن کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتا نظامِ سیاسی کی تمام بنیاد کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر ایک سیاسی فرد دوسرے کے اندرونی معاملات میں دخل دے"

اِس اعلان کے زیرِ نظر کشمیر کمیٹی کو جواب دیا گیا۔ کہ حالات پر قابو پا لیا گیا ہے۔ تحقیقات جاری ہے۔ ایک وفد کا اِس موقعہ پر آنا جوش کو از سرِ نو پھیلائے گا۔ مہاراجہ بہادر افسوس کرتے ہیں۔ کہ وُہ آپ کی عرضداشت کو منظور نہیں کر سکتے"

حکومت کشمیر کا یہ جواب دانشمندانہ تھا۔ لیکن راجہ ہری کشن کول کی دوگونہ پالیسی نے مسلم نوجوانوں کے دل میں شکوک پیدا کر دیئے۔ ایک طرف سے جہاں وزیر اعظم نے شاہی قیدیوں کو رہا کر دا کے اپنے حسنِ تدبیر کا ثبوت بہم پہنچایا۔ وہاں اُس نے کئی ایسے طریقے اختیار کر لئے۔ جس نے اِس لبرل پالیسی سے پیدا شدہ نتائج سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیا۔ شیخ محمد عبداللہ

اور اُس کے رفقاء کو رہا کرنے کے بعد بھی حکومتِ کشمیر نے اُن تمام قوانین کو جاری رکھا۔ جو کہ ایجی ٹیشن کو دبانے کے لئے یکم اگست سے پہلے نافذ کئے گئے تھے۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ برابر چل رہا تھا۔ کرفیو آرڈر کو نہ ہٹایا گیا۔ دیگر سیاسی قیدی جو صرف پولٹیکل جرائم میں زیر حراست لئے گئے تھے۔ ابھی قید کی چار دیواری کے اندر ہی بند تھے۔ اور اُن تمام ملازمین سرکار کو جو ایجی ٹیشن کے سلسلے میں برخاست معطل یا تنزل کر دئیے گئے تھے۔ بحال نہ کیا گیا۔ شیخ محمد عبد اللہ اور دیگر مسلم نمائندگان نے حکومت سے التجا کی۔ کہ اگر حالات کو سدھارنا مقصود ہے۔ اور حکومت مستقل امن قائم کرنے کی خواہشمند ہے۔ تو مطالبات کو سننے سے پیشتر ان ہنگامی باتوں پر دھیان دیا جاوے۔ لیکن وہاں صدائے بر نخاست والا معاملہ تھا۔ جس سے مسلم نوجوان دل برداشتہ ہو گئے۔ اور شیخ محمد عبد اللہ نے پھر تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جن میں حکومت سے اس معاملہ کے متعلق زبردست شکایات کی جاتی تھیں۔

ان حالات کے درمیان مسلم نمائندگان نے وفد کی صورت میں مہاراجہ بہادر کے پیش ہونا اچھا نہ سمجھا۔ وہ جواب دینا بھی دانشمندانہ نہ سمجھتے تھے۔ اس لیے جیسا کہ پہلے مقرر ہو چکا تھا۔ ۱۰ اگست کو بھی وفد مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش نہ ہوا۔ ارکان وفد نے تاریخ کے متعلق لاعلمی ظاہر کی:۔

انہی دنوں مہاراجہ بہادر نے سر تیج بہادر سپرو اور مولانا ابو الکلام آزاد کو کشمیر آنے کی دعوت دی۔ شیخ محمد عبد اللہ اور چند مسلم نوجوان مولانا سے ملاقی ہوئے۔ اور اپنی تمام رام کہانی اُنھیں سنائی۔ شیر کشمیر نے اس قوم پرست لیڈر سے بتا دیا۔ کہ ہم کانگریس کی طرح اس ملک میں اپنے پیدائشی حقوق

ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اگر کانگریس کا کام پاک ہے۔ تو ہمارا کس طرح ناپاک ہو سکتا ہے۔ ہم ہر ایک فرقہ اور ہر ایک ذی نفس کے لئے انصاف چاہتے ہیں۔ مولانا آزاد نے ان نوجوانوں کو فہمائش کی۔ کہ وہ اپنے مطالبات تیار کر کے حکومت کے پیش کریں

ڈاکٹر محمد عالم بھی تفریح طبع کے لئے کشمیر آئے ہوئے تھے۔ جب نوجوان آپ سے ملے۔ تو آپ نے بھی اُن کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔ اور اُنہیں کہہ دیا۔ کہ وہ میموریل تیار کریں۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ۱۴ اگست کو ہندوستان بھر میں "کشمیر ڈے" منانے کا اعلان کر دیا اس روز کشمیر کے کونے کونے میں جلسے ہوئے۔ جن میں گولی سے اڑائے گئے لوگوں سے ہمدردی ظاہر کی گئی۔ اور حکومت کشمیر اور حکومت ہند پر زور ڈالا دیا گیا۔ کہ مسلمانوں کے مطالبات پورے کئے جائیں۔ ۱۵ اگست کو مسلم نمائندگان ایک وفد لیکر مہاراجہ بہادر کے پیش ہوئے اُنہوں نے وہاں حضور ممدوح کو ایک میموریل پڑھ کر سنایا۔ جس میں اظہار وفاداری کے بعد راجہ ہری کشن کول کی تقرری پر مایوسی ظاہر کی اور یہ درخواست کی کہ مہاراجہ بہادر اپنے وزراء کو مسلم رعایا کے لئے فضا کو صاف کرنے کا حکم دیں۔ تاکہ مطالبات پیش کئے جا سکیں۔ لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی [۱]۔ اس کا جواب جو ملا۔ وہ یہ تھا کہ راجہ ہری کشن کول پر مہاراجہ بہادر کو کامل بھروسہ ہے۔ اور وہ اس میں تبدیلی کرنے کو ہرگز پسند نہیں فرماتے اس جواب سے مسلمان سخت دل برداشتہ ہوئے۔ اور نوجوانوں نے اپنی تقریر بازی کا سلسلہ از سر نو شروع کر دیا۔

[۱] خطبہ صدارت پہلا اجلاس جموں و کشمیر مسلم کانفرنس صفحہ ۴۲

جب راجہ ہری کشن کول نے دیکھ لیا۔ کہ مسلم نوجوانوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کئے بنا حالات پر کامل قابو نہیں پایا جا سکتا ہے۔ تو اس نے اپنے ایک بارسوخ مسلمان دوست سر مہر شاہ کو کشمیر آنے کی دعوت دی۔ آپ کی موجودگی میں راجہ ہری کشن کول کی کوٹھی پر مسلم نمائندگان، اور حکومت کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا۔ جس کی شرائط یہ تھیں۔

مسلم رعایا کی طرف سے اقرار نامہ

(۱) جو ایجی ٹیشن آج تک جاری تھی۔ بالکل بند کر دی جائیگی۔ یعنی مساجد یا کسی مذہبی مقام پر یا عام جلسہ میں ایسی تقریر نہ کی جائے گی۔ کہ جس سے حکومت یا مہاراجہ بہادر کی رعایا کے کسی فرقہ کے خلاف جذبۂ نفرت پھیل جائے۔

(۲) جامع مسجد اور دیگر مساجد اور زیارتوں سے یہ اعلان کیا جائیگا۔ کہ ریاست کشمیر کی مسلم رعایا بیرونی عنصر سے اپنے کاموں کے متعلق اثر پذیر نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنی وفاداری میں اپنے حکمراں ہز ہائینس کے لئے ثابت قدم ہے۔ جس سے وہ اپنے جائز مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کی پوری توقع رکھتی ہے۔

(۳) مسلم فرقہ کے ساتھ ہمدردی رکھنے والوں سے اپیل کی جائیگی۔ کہ جب تک ان مطالبات کا جو وہ پیش کر چکے ہیں۔ فیصلہ نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی کارروائی نہ کی جائے۔ جو اس پُر امن فضا کو خراب کر دے۔ جو مطالبات پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے۔

(۴) اس سمجھوتہ سے عام قانون جو اس وقت تک نافذ ہے۔ میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی

(۵) اس سمجھوتہ کے لئے ہم وزیر اعظم کی اس دریا دلی کی قدر کرتے ہیں۔ جو انہوں نے ہمارے معروضات کو سننے میں دکھائی ہے۔ ہم اُس کی ہمدردی اور مہربانی

سے مشکور ہیں۔ ہمیں امید ہے۔ کہ وہ ہمارے مطالبات پر بھی اسی طرح ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔

(نوٹ) اگرچہ ہماری اُس عرضداشت کا جواب جو ہم نے ۱۵ اگست کو مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش کی تھی۔ تسلی بخش نہیں۔ تاہم ہم اُس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور اعلان کرتے ہیں۔ کہ ہم اس عارضی سمجھوتہ کی شرائط پر وفاداری سے کاربند رہیں گے۔

اس شرائط نامہ پر تمام جموں وکشمیر کے دس نمائندگان کے دستخط ثبت تھے

حکومت کشمیر کی طرف سے مراعات

(۱) جب ایجی ٹیشن کے مکمل طور بند کئے جانے کا اعلان تمام شہروں اور گاؤں میں کیا جائیگا۔ تو فرمان حکومت وہ تمام احکام معطل کر دینگے۔ جو گذشتہ دو ماہ کے اندر قانون مروجہ کے تحت ایجی ٹیشن کو دبانے کے لئے عمل میں لائے گئے ہیں۔

(۲) ہائی کورٹ سے درخواست کی جائیگی۔ کہ اُن تمام اشخاص کو ضمانت پر رہا کر دیا جائے۔ جو سنٹرل جیل میں بلوہ کرنے کے جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں۔ یا جن کا عدالت میں چالان ہوا ہے۔ اُن کے مقدمات کی سماعت کو دلال کمیٹی کی رپورٹ شائع ہونے تک ملتوی کیا جائے۔

(۳) اُن ملازمان سرکار کے معاملہ پر جو اس ایجی ٹیشن کے سلسلہ میں برخاست معطل یا تنزل کئے گئے۔ غور رہیگا۔ اور اگر وہ یہ ضمانت دے سکیں۔ کہ وہ ایجی ٹیشن میں کوئی حصہ نہ لیں گے۔ اُن کو بحال کر دیا جائیگا۔

حکومت کی طرف سے اس سمجھوتہ پر راجہ ہری کرشن کول کے دستخط ثبت تھے

سر مہر شاہ نے بطور گواہ دستخط کر دیا تھا۔

راجہ ہری کشن کول کی یہ ایک انتہائی لبرل پالیسی تھی۔ کہ اُس نے کھلم کھلا ایسے لوگوں کے ساتھ سمجھوتہ کیا۔ جن کو آج تک باغی سمجھا گیا تھا۔ اور اِس سمجھوتہ کی تحریر ایسی تھی جس سے عیاں تھا۔ کہ حکومت مسلم نوجوانوں کی تحریک کو تحریک حریت مان رہی تھی۔ اور اب وہ پروپیگنڈا جو ہر طرف سے شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقاء کے خلاف ہو رہا تھا۔ کہ اُن کی شکایات فرضی ہیں۔ اور وہ کٹھ پتلیوں کی طرح بیرونی مسلمانوں کے ہاتھ میں کھیلتے ہیں۔ اِس سمجھوتہ سے زائل ہو گیا۔ اور ایسا کرنے سے راجہ ہری کشن کول کو ہندوؤں کی ناراضگی مول لینی پڑی۔ کشمیری پنڈت اُس سے برسرِ پرخاش ہوئے۔

شیخ محمد عبداللہ کو بھی مسلمانوں کی طرف سے بڑی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان سمجھنے لگے۔ کہ حکومت نے اُس کو جیت لیا ہے۔ وہ ٹوڈی بن گیا۔ اور مسلمانوں کا کیا کرایا خاک میں مِل گیا۔ ۲۶ راگست کی شام کو جس دن یہ سمجھوتہ طے ہو گیا تھا۔ مسلمانوں نے اُس کے مکان پر دھاوا بولا۔ مکان کی کھڑکیاں توڑ ڈالیں۔ اگر وہ چپکے سے بھاگ کر جموں کے مسلم نمائندگان کے ہوس بوٹ میں نہ جاتا۔ تو اُس کے جان کی خیر نہ تھی۔ دوسرے دن اُس نے جامع مسجد میں ایک عام جلسہ بلا کر اپنی اور دیگر نمائندوں کی پوزیشن لوگوں کے سامنے واضح کر دی جس میں آپ نے بتلایا۔ کہ ہماری تحریک کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ملک میں ہمیشہ بدامنی رہے۔ جب حکومت ہمارے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہو۔ اور سمجھوتہ کی شرائط طرفین کے لئے باعث عزت ہوں۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہم ... دست ...

آگے نہ بڑھائیں۔ اس تقریر سے لوگوں کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور آپ کی نسبت عوام سے یہ بدگمانی بعید ہوگئی۔ اس جلسہ میں لاہور کے جسٹس دین محمد بھی موجود تھے

مسلمانوں اور حکومت کے اس داد وستد سے کچھ عرصہ حالات پرسکون رہے۔ حکومت دو ماہ کے فسادات سے بگڑی ہوئی مشینری کو سنبھالنے کے کام میں لگ گئی۔ مسلمان اپنی تعلیمی اور پستی اور معلبی بدحالی کی طرف دھیان دینے لگے نمائندگان نے کئی دفعہ وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ اور آپس میں روز بروز خوشگوار تعلقات پیدا ہونے لگے۔ اب ہر ایک آدمی اس روز کے انتظار میں تھا۔ جب مسلمان اپنے مطالبات کا میموریل حکومت کے پیش کریں گے اور حکومت اس کا کیا جواب دے گی۔ کیونکہ اتنا انقلاب ہونے پر بھی حل طلب مسئلہ ابھی حل طلب ہی تھا۔ وجہ شکایت ابھی دور نہ ہوئی تھی۔

چند روز کے گزرنے پر مسلمانوں کو شکایت پیدا ہوئی۔ کہ راجہ ہری کشن کول اپنی شرائط پر کاربند نہیں رہا۔ اور وہ تمام ملازمان بحال نہ کئے گئے۔ جو ابھی ٹیشن میں حکومت کی ناراضگی کا شکار ہوئے تھے۔ اس کے ثبوت میں چند ایک مثالیں بھی پیش کی گئیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے چند ایک تقریروں میں حکومت کی اس پالیسی پر سخت نقطہ چینی کی جس سے حکومت نے سمجھا۔ کہ مسلم نمائندگان نے حکومت کی شرائط توڑ ڈالی ہیں۔ راجہ ہری کشن کول اس لئے بھی بدظن ہوا۔ کیونکہ مسلمان اپنا میموریل بھیجنے میں لیت و لعل کر رہے تھے۔ جس سے شک پیدا ہوتا تھا۔ کہ ان کے پاس جائز شکایت تو کوئی نہیں۔ وہ صرف مہندو ریاست کو بدنام کرنے کے لئے۔ اور ملک میں بدامنی پیدا کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ در پردہ

حقیقت یہ تھی۔ کہ مسلم نمائندگان نے میموریل کا مسودہ بناکر ڈاکٹر عالم کے حوالے کر دیا تھا۔ جسکو لیکر وُہ پنجاب چلا گیا۔ تاکہ اُسمیں کانگرسی مسلمانوں سے مشورہ لیا جائے عبدالرحیم بھی ڈاکٹر عالم کے ساتھ چلا گیا۔ لیکن جب وُہ لاہور پہنچا۔ تو کشمیر کمیٹی والوں نے بھی مسودہ دیکھنا چاہا۔ اُس پر بہت وقت صرف ہُوا۔ اور عبدالرحیم کی واپسی میں غیر متوقع درنگی ہوئی۔

راجہ ہری کشن کول نے جب دیکھا۔ کہ مسلمان نہ تو مطالبات پیش کرتے ہیں۔ اور نہ ہی خاموش رہتے ہیں۔ تو اُس نے غیر دانشمندانہ طریقے سے شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے ۲۱ ستمبر کی شام کے پانچ بجے جبکہ شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم کی کوٹھی کے سامنے ایک ہاؤس بوٹ میں اسلامیہ سکول کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے۔ شیخ عبدالعزیز ڈی۔ آئی جی۔ اور لالہ انند سروپ انسپکٹر پولیس نے اُنہیں بلایا۔ اور چند قدم چلکر اُنہیں بتلایا۔ کہ وُہ حکومت کے حکم سے زیر حراست لیے جا رہے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے جواب دیا۔ "میں تیار ہوں مجھے کوئی عذر نہیں"۔ آپ کو کار میں بٹھا کر حسن آباد (؟) بادامی باغ کوارٹر گارڈ میں قید کیا گیا۔

شیر کشمیر کا قید کیا جانا ماسٹر عبداللہ کے نب کئے جانے سے کہیں خطرناک ثابت ہُوا۔ یہ خبر آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح شہر کے چاروں اطراف میں پھیل گئی۔ تمام بازاروں میں مکمل ہڑتال ہوگئی۔ اور مسلمان جامع مسجد میں ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ مسلم نوجوانوں نے وار کونسل کا اعلان کر دیا۔ اور اس کونسل کا پہلا پہلا ڈکٹیٹر مفتی جلال الدین بن گیا۔ حکومت نے اُس کو گرفتار کر لیا۔ لیکن دوسرے دن اُس سے بھی زیادہ جوش پھیل گیا۔

اب جلوس نکلنے لگے۔ اور حالات نہایت خوفناک صورت اختیار کر گئے۔
حکومت نے قصبجات اور دیہات میں پہلے ہی فوج بھیج دی تھی۔ شہر میں بھی
جابجا فوج کے دستے تعینات کئے گئے۔ لیکن ہجوم جگہ جگہ پر جمع ہوتا تھا۔ اور
فوج پر پتھر برسائے جاتے تھے۔ جس سے فوج کو کئی جگہ گولی چلانی پڑی جس
میں کئی آدمی مارے گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ جب جامع مسجد میں مجمع پر
گولی چلائی گئی۔ تو مسلمان بے حد مشتعل ہوئے۔ اننت ناگ میں حکومت کی اس
حرکت کے خلاف احتجاج کے طور پر جلوس نکلا۔ مقامی افسران نے اُن کو بند
کرنا چاہا۔ سرکاری اطلاع کے مطابق ہجوم نے اس تنبیہ کی پرواہ نہ کی۔ بلکہ
فوج پر پتھر برسائے۔ اور یہ بھی کوشش کی۔ کہ سپاہیوں سے بندوقیں چھین لی جائیں
جس پر تحصیلدار کو گولی چلانی پڑی جس سے ۹ آدمی مارے گئے اور ۳۲ بتیس زخمی ہوئے[1]
۲۴ ستمبر کو حکومت نے خواجہ غلام احمد عشائی اور خواجہ سعید الدین شال کی
گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دئے۔ مسٹر عشائی کو رات کے وقت زیر حراست
لیا گیا۔ لیکن سعید الدین شال گرفتار نہ ہو سکا۔ جب صبح کے وقت لوگوں کو پتہ لگ گیا
کہ شال صاحب کے خلاف وارنٹ نکل چکا ہے۔ تو انہوں نے تہیہ کر لیا۔ کہ کچھ بھی
کیوں نہ ہو۔ اُن کو گرفتار نہ ہونے دیں گے۔ ایسا ہونے کے لیے ۲۴ ستمبر کو پچاس ہزار
سے زیادہ مسلمان کلہاڑیاں لاٹھیاں۔ تلواریں اور دیگر قسم کے ہتھیار لے کر
محلہ خانیار میں جمع ہو گئے۔ اور کھلم کھلا حکومت کو چیلنج دینے لگے۔ حکومت کے
بیان کے مطابق اس ہجوم میں بندوقیں لیکر بیرون شہر کے قریباً تین صد آدمی
شامل ہو گئے تھے[2]

حکومت نے وقت کی نزاکت کو پہچان لیا۔ اگر وہ اپنے وقار

[1-2] [illegible] ۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء

کو قائم رکھنے کے لئے اُس روز خواجہ سعید الدین شال کو گرفتار کر لیتی۔ تو شہر کے درمیان خون کی ندیاں بہ جاتیں۔ تیس ہزار لوگوں کا یہ بے ضابطہ فوج ملٹری کے سپاہیوں اور غیر مسلموں کو تہ تیغ کرنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن راجہ ہری کرشن کول نے تدبر سے کام لیکر فوج کو ہٹ جانے کا حکم دیا۔ ہجوم خود بخود منتشر ہوا۔ یہ بات یہاں پہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ مسلم ہجوم نے اِس روز ہندوؤں کے ساتھ کوئی چھیڑ خانی نہ کی۔ بلکہ کہیں اِکّے دُکے کشمیری پنڈت مرد یا عورتیں خوف و ہراس سے سہمی ہوئی چلتی تھیں۔ تو اُن کو مسلم نوجوان والنٹیر اپنے منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے حتی الوسع امداد دیتے تھے۔

حکومت نے دیکھ لیا۔ کہ حالات بدتریں ہو چکے ہیں۔ اور سول ایڈمنسٹریشن ان کو اپنے قابو میں نہیں لا سکتی۔ اِس لئے ۲۴ ستمبر کے روز مہاراجہ بہادر نے نوٹیفکیشن نمبر ۱۹۔ ایل سمت ۱۹۸۸ نافذ کر دیا جس کی رُو سے سرینگر میونسپل حدود کو ملٹری کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ نوٹیفکیشن حکومت ہند کے برہما آرڈیننس کے مطابق بنایا گیا ہے۔ اِس کے تحت جملہ سٹیٹ افسران افواج ریاست جن کا رینک برگیڈیر سے سیکنڈ لفٹیننٹ (بشمول ہر دو) تک کا ہو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور جملہ افسران پولیس جن کا رینک سب انسپکٹر یا اس سے بالاتر کا ہو۔ با اختیار بغرض جملہ اختیارات مقرر کیا گیا۔ ۲۵ ستمبر سنیچر وار کے روز فوج کا ایک دستہ شہر کے اندر سے گزرا جس کے آگے شاہی جھنڈا بلند تھا۔ ہر ایک کو مجبور کیا جاتا تھا۔ اس کے آگے جھک جائے۔ چند مسلم نوجوانوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ اُن کو سزائیں دی گئیں اور بظاہر ان سخت قوانین سے حالات پُرسکون ہوئے۔ لیکن جاننے والے جانتے تھے۔ کہ یہ سب عارضی ہے۔ اور اصلی حالات دبے ہوئے ہیں۔

چنانچہ ٹربیون جیسے معتدل اخبار نے بھی اپنی ۱۷ ستمبر کی اشاعت میں لیڈنگ آرٹیکل کے دوران میں لکھا۔

"سخت احکام سے عارضی اثر تو بظاہر پیدا ہوا ہے۔ لیکن یہ بڑی بیوقوفی ہو گی۔ اگر یہ خیال کیا جائے۔ کہ فساد ختم ہوا۔ تب تک کوئی مستقل امن قایم ہونا ناممکن ہے۔ جب تک مسلمان اپنی اصلی شکایات مہاراجہ بہادر کے پیش نہ کریں"

راجہ ہری کشن کول نے کوشش کی۔ کہ اعتدال پسند مسلم لیڈروں کو اپنے ساتھ ملائے۔ اُس نے تین ایسے رہنماؤں کو جس میں میرواعظ یوسف شاہ بھی تھے مہاراجہ بہادر کی بارگاہ میں ملاقات کا شرف بخشا۔ لیکن انہوں نے پہلا مطالبہ وہاں پھر یہی کیا۔ کہ وزیر اعظم کو برخاست کیا جائے۔ مہاراجہ بہادر نے اس درخواست کو ماننے سے قطعی انکار کیا[۱]

۲۶ جولائی کے روز شوپیاں میں ہجوم جمع ہو گیا۔ اور حکومت کیخلاف مظاہرہ کرنے لگا۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے بیان کے مطابق ہجوم مسلح تھا۔ اور اُنہوں نے پولیس تھانہ پر حملہ کر کے ہیڈ کانسٹیبل کو مار ڈالا۔ ریکارڈ کو جلا دیا اور فوج کے سپاہیوں پر پتھر برسائے۔ اس پر گولی چلائی گئی۔ جس سے ۱۰ مارے گئے اور چار زخمی ہوئے[۲]

نوٹیفکیشن ۱۹ ایل سے سرینگر میں مارشل لا جاری ہوا۔ تو عوام پر وہ مظالم کئے گئے جن کے سننے سے بدن میں کپکپی پیدا ہوتی ہے۔ کسی جگہ بھی چاہے وہ پرائیویٹ ہو۔ یا پبلک دو یا اس سے زیادہ تعداد میں آدمی سیاسی مجلس یا اور کسی کام کے لئے جمع نہ ہو سکتے تھے۔ راہ چلتے انسان کو کئی بار فوجی سپاہیوں کے سامنے "جے جے کار" کے نعرے بلند کرنے پڑتے تھے

سوار کو نیچے زمین پر اُتر کر سلام کرنی پڑتی تھی۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو مارشل لا
عدالتوں کے سامنے مختصر پیشی کے بعد سزا دیجاتی تھی جس میں قید جرمانہ۔
بیدزنی بھی شامل تھی۔ سینکڑوں آدمی قید کئے گئے۔ ہزاروں جرمانہ کا شکار ہوئے
اور سینکڑوں کے جسم نمائش گاہ کے اندر جو برلب سڑک ہے۔ بیدزنی کی وجہ سے
خون سے لت پت ہوئے۔ اخبار ٹربیون لاہور نے اپنی ۱۲ر اکتوبر کی اشاعت
میں ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نمائندہ نے سرینگر سے اطلاع دی ہے
کہ آرڈیننس کے ماتحت انصاف کی ایک عدالت مقرر کر دی گئی ہے جس میں
خلاف قانون کرنے والوں کو تحقیقات کے بعد عوام کے سامنے بیدزنی کی سزا
دے کر مختصر طور انصاف کیا جاتا ہے"۔ ہم دل سے خواہش رکھتے ہیں کہ حکومت
کشمیر کی نیک نامی کے لئے اس خبر میں کوئی صداقت نہ ہو۔ اگر یہ صحیح ہے۔ ملک
بھر کی رائے عامہ اس انسانیت سوز حرکت کے خلاف زبردست صدائے احتجاج
بلند کرے گی۔ بیدزنی وحشیانہ سزا ہے۔ جو اگر حق بجانب قرار دی جائے
تو صرف بدترین جرائم۔ (جن میں عورتوں پر ضربات دی گئی ہوں) کے لئے عوام کے
سامنے بیدزنی کو کسی حالت میں اور کسی وجہ سے بھی حق بجانب قرار نہیں دیا جا
سکتا۔ اگر یہ رپورٹ صحیح ہے۔ تو ہم چاہتے ہیں۔ کہ مہاراجہ کشمیر اس لرزہ خیز
فعل کو بند کرانے کے لئے جلد از جلد احکام صادر فرما دیں۔ حکومت کشمیر
مشکلات میں واقعی پھنس گئی ہے۔۔۔۔ لیکن عوام کے سامنے بیدزنی کرنے کو
کسی زمانہ میں بھی جائز سزا تصور نہ کیا جائیگا"۔

لیکن بیدزنی جرمانہ اور قید۔ ان سخت سزاؤں کے باوجود بھی

سلمان شیر کشمیر کو ڈھونڈھ رہے تھے۔ اور اُس کے دیدار کے لئے نیم بسمل جانور کی طرح تڑپ رہے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ اب جلسے جلوس وغیرہ بالکل بند ہو چکے تھے۔ لیکن ہر کوئی جانتا تھا۔ کہ یہ تیر و تفنگ کے خوف۔ بندوقوں کی چلتی ٹینیوں کے ڈر سے تھا ورنہ مسلمانوں کے گھروں سے دِلوں سے اور چہروں سے۔ اپنے محبوب رہنما کی جدائی کے لئے پریشانی کے آثار ہویدا ہو رہے تھے۔

راجہ ہری کشن کول نے پھر ایک دفعہ دیکھ لیا۔ کہ دباؤ کی پالیسی ناکام ہو رہی ہے۔ اینگلو انڈین پریس ہی نہیں۔ سودیشی اور کانگریسی پریس بھی اِس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ تو اُس نے پھر بادامی باغ کی طرف اپنے ایلچی بھیجے۔ چنانچہ ایک دن ٹھاکور کرتار سنگھ اور پنڈت جیون لال مٹو قید میں شیخ محمد عبداللہ سے ملے۔ ٹھاکور جی نے شیر کشمیر کو نصیحت کی۔ کہ تم اپنی زندگی سے کیوں دشمنی کرتا ہے۔ تم نوجوان ہو۔ لیڈر ہو۔ اور تم میں جوش ہے۔ لیکن اگر حکومت چاہے۔ تو تمہیں سخت سزا دے سکتی ہے۔ جس سے تم پر مصیبت کے بادل ٹوٹ پڑیں۔ لیکن ہم تمہاری حُب وطن کی قدر کرتے ہیں۔ اگر تم باز آؤ گے تمہیں رہا کیا جائیگا ورنہ تمہارے ساتھ بُرا سلوک ہوگا۔ اِس دھمکی کا شیر کشمیر نے مناسب الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ کہ جو حکومت چاہے وُہ کرے۔ وُہ میرے جسم کو قید کر سکتی ہے۔ میری رُوح کو نہیں۔ مجھے اِس بات کی کوئی پرواہ نہیں۔ کہ حکومت کیا کرے گی؟

اِس کے بعد پنڈت جیون لال مٹو دوسرے دن پھر آئے۔ اور شیخ محمد عبداللہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ وُہ اپنے ہٹ سے باز آئیں

لیکن اُنہوں نے ایک نہ مانی۔

قید سے باہر بھی مسلم نمائندوں کو حکومت پھسلانے کی کوشش کر رہی تھی اِس میں اُنہیں کچھ کامیابی حاصل بھی ہوئی۔ چنانچہ ایک دن پنڈت جیون لال نے شیخ محمد عبداللہ کو بند موٹر کے اندر اپنے مکان پر لے لیا۔ وہاں میر واعظ یوسف شاہ اور مولوی محمد یحییٰ اور غلام محمد پنڈت پہلے ہی موجود تھے۔ میر واعظ یوسف شاہ نے شیخ محمد عبداللہ کو بتلایا۔ کہ اُنہوں نے حکومت کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ آپ اب آئندہ تقاریر کا سلسلہ بند کر دیں گے۔ جب تک مطالبات مہاراجہ بہادر کے پیش نہ ہوں۔ شیر کشمیر نے اِس پر اعتراض کیا۔ کہ اُن کے مشورے بغیر ایسا کرنے کا میر واعظ کو حق حاصل نہ تھا۔ لیکن جب میر واعظ نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ تو شیخ صاحب نے بتا دیا۔ کہ میں اِس معاملہ کو مسلم نمائندگان کی کمیٹی کے سامنے رکھ دوں گا۔ اور جو وہ فیصلہ کریں گے۔ اُس پر کار بند رہونگا اِس کے بعد شیخ صاحب کو پھر بادامی باغ پہنچایا گیا۔

۲۳ اکتوبر کے روز مہاراجہ بہادر کی ۳۶ ویں سالگرہ تھی۔ اِس موقع پر جو شاہی دربار منعقد ہوا۔ اُس میں مہاراجہ بہادر نے تخت پر جلوہ افروز ہونے پر وزیر اعظم کو ایک سر بمہر اعلان دیا۔ جو اُس نے پڑھکر حاضرین کو سنایا۔ اِسمیں مہاراجہ بہادر نے سیاسی قیدیوں کی عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ نوٹیفکیشن نمبر ۱۹۔ ایل کو واپس لیا گیا۔ فوج ہٹائی گئی۔ اور ہنگامی قوانین کو منسوخ کیا گیا۔

میرواعظ یوسف شاہ کی علیحدگی

مسلمانانِ کشمیر کے دو مذہبی رہنما ہیں۔ دونوں کو میرواعظ کہتے ہیں۔ اِن کے درمیان مدّت سے ایک جھگڑا چلا آتا ہے۔ ہم اِس کتاب میں نہ تو اُن کی گذشتہ تاریخ کو لکھنا چاہتے ہیں۔ نہ اُن کے اختلافات کی ابتدا اور سرگذشت کو ہی حوالۂ قلم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے۔ جب یہ جھگڑا خوفناک صورت اختیار کر گیا۔ تو حکومت نے اِن کے درمیان فیصلہ دیا۔ جس کی رو سے چند مساجد ایک کے وعظ کے لئے مقرر ہوئیں۔ اور چند دوسرے کیلئے ایک میرواعظ کے زیادہ پیرو تھے۔ اور دوسرے کے کم۔ چنانچہ ایک کو میرواعظ کلاں اور دوسرے کو میرواعظ خورد کہا کرتے ہیں۔ میرواعظ کلاں جامع مسجد کا مالک اور میرواعظ خورد خانقاہ معلےٰ کا حاکم کہا جاتا ہے۔

میرواعظ احمد اللہ کے انتقال کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ میرواعظ یوسف شاہ اِس کا بھتیجا تھا۔ پہلے تو احمد اللہ کا بھائی عتیق اللہ میرواعظ بنا۔ لیکن اُس کی ناسازیٔ طبیعت کی وجہ سے اِس جلیل القدر عہدے کا جوءنہ مولوی یوسف شاہ کے کندھوں پر ہی پڑا۔ میرواعظوں کا یہ خاندان مسلمانانِ کشمیر میں سب سے زیادہ بارسوخ۔ باعزت اور طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اِن کے حکم پر مر مٹنے کو تیار ہوتے تھے۔ اور اِن کا نام مُسلم وغیر مُسلم نہایت ہی تہذیب کے ساتھ لیتے تھے۔

دولتمند مسلمان اُس وقت تک "اونچے خاندان" کا نہ جانا جاتا تھا۔ جب تک کہ میرواعظ اپنے دست مبارک سے اُن کے گھر پہ قدم رنجہ فرما کر اُنھیں یہ شرف نہ بخشتے۔ اِس لئے مسلمانوں کی سرکردہ جماعت پر اِن کا بڑا اثر تھا۔ غربا تو اُن کے پاؤں چومنے بھی اپنے لئے فخر سمجھتے تھے ۔

بہت عرصہ تک میرواعظوں نے بے علم مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی ہی نہ کی۔ بلکہ اُن کا مجلسی سدھار بھی اپنے ہاتھوں میں ہی لیا۔ چنانچہ اسلامیہ ہائی سکول کی سنگ بنیاد ڈال کر اُس کو موجودہ صورت میں لانا بھی اِن کی ہی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ سیاسیات میں میرواعظ ہی مسلمانوں کو مشتقل ہدایت کا کام دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ حکومت کشمیر ہمیشہ اِن کی رائے کو کافی وقعت دیتی اور اِن کی نقل وحرکت پر نظر رکھتی تھی۔

میرواعظ یوسف شاہ نوجوان تھا۔ اُس کے دل میں مسلمانانِ کشمیر کی رہنمائی کرنے کا خیال مدت سے جاگزیں تھا۔ لیکن وہ چاہتا تھا۔ کہ طریق کار موجودہ دُنیا کے مطابق ہو۔ اُس کے دل میں ملک کی خدمت کے لئے سچی لگن تھی۔ وہ کانگریس اور خلافت کی تحریکوں کو دیکھ چکا تھا۔ اور کشمیر میں بھی ایسی ہی تحریک حریت چلانے کا شدائی تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ اُس نے مسلم نوجوانوں کے ساتھ چلکر خلوص دل سے کام کیا۔ اور خاندانی اختلافات کو پس پشت ڈال کر بھی میرواعظ ہمدانی سے بغلگیر ہوا۔ خانقاہ معلےٰ میں گیا۔ مولوی عبداللہ کے ساتھ میرواعظ احمداللہ نے عمر بھر مرزائی اور غیر مرزائی کی جنگ چھیڑی تھی لیکن میرواعظ یوسف شاہ نے مسلمانوں کو ایک ہی دھاگے میں پرو نے

سکے لئے اُس کو بھی بھول ڈالا۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ یوسف شاہ کا مسلم نوجوانوں کے ساتھ ملنا ایک نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ کیونکہ اِس کی شمولیت سے ہی کثیر التعداد مسلمان اِس تحریک میں شامل ہوئے۔

شیخ محمد عبداللہ کی ہر دلعزیزی دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگی۔ دو دفعہ کی جیل یاترا نے اُس کی شخصیت کو مسلموں غیر مسلموں اور حکومت کے درمیان وہ عزت دی۔ کہ باقی تمام شخصیتیں چاہے اُن کو کتنا ہی اقتدار اِس سے پہلے حاصل کیوں نہ تھا۔ ماند پڑ گئیں۔ شیخ محمد عبداللہ ایک غریب دیہاتی سے سکول ماسٹر اور سکول ماسٹر سے "شیر کشمیر" بنا۔ اب امیر و غریب۔ زن و مرد۔ بوڑھے اور نوجوان میرواعظ کے بدلے شیخ محمد عبداللہ کی راہ دیکھتے تھے شیخ محمد عبداللہ بازار میں کھڑا ہوتا۔ تو سینکڑوں لوگ اُس کے اِرد گرد جمع ہو جاتے بسا اوقات ایسا ہی ہوتا تھا۔ کہ کسی مجلس میں شیخ محمد عبداللہ اور میرواعظ یوسف شاہ دونوں حاضر ہوتے۔ اُس جگہ شیخ محمد عبداللہ ہی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتا۔ دیہات میں تو یہ عالم تھا۔ کہ کسان "شیر کشمیر" کو نائب رسول سمجھتے تھے۔ میرواعظ یہ دیکھا کرتا۔ اُس کے دل میں کبھی کبھی اپنی پرانی عظمت کا نقشہ یاد آجاتا۔ لیکن وہ اُس کو بھول ڈالتا۔ اور خدا کے سامنے سربسجدہ ہوتا۔ کہ ملک و ملت میں ایسا نوجوان پیدا ہوا ہے۔ جس نے اپنے ہموطنوں کو بیدار کیا۔ جس نے ایک معمولی ہستی ہونے سے ایسی شان پیدا کی۔ یوسف شاہ نوجوان تھا۔ وہ جمہوریت کے اصولوں سے ناواقف نہ تھا:-

نئی تحریک نے میرواعظ کو مالی نقصان بھی پہنچایا۔ عقیدت مند مسلمان اپنی کمائی کا کچھ نہ کچھ حصہ میرواعظوں کی بھینٹ چڑھانا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے ہزاروں روپیہ جمع ہوتے تھے۔ لیکن تحریک کی وجہ سے لوگوں کی ذہنیت میں بھی فرق آیا۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ میرواعظ کو روپیہ دینے سے ایک خاندان آباد ہوتا ہے اگر یہی رقم کسی قومی فنڈ میں دی جاوے۔ تو اُس قوم کا بھلا ہو سکتا ہے۔

سرمایہ پرست ہر ملک میں حکومت پرست ہوتے ہیں کیونکہ انقلاب اُن کے لئے ہمیشہ ضرررساں ثابت ہوتا ہے۔ ایسے ہی چند سرمایہ پرست مسلم نوجوانوں کی تحریک کو ابتدا سے ہی ٹیڑھی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میرواعظ یوسف شاہ خاندان کے ساتھ گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ اُن کو میرواعظ کا اس تحریک میں شامل ہونا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ لیکن مولوی یوسف شاہ کا جوش۔ استقلال ہمت قربانی دیکھکر اُن کو کچھ عرصہ ہمت نہ ہوئی۔ کہ اُس کو تحریک سے علیٰحدہ ہونے کا مشورہ دیں۔ لیکن وہ اس تاک میں لگے ہوئے تھے۔ کہ کب موقعہ ہاتھ آئے۔ کہ اُس کو اپنا آلۂ کار بنا لیں۔ اس گروہ کا سردار منشی اسد اللہ ایڈووکیٹ تھا۔ جس کے متعلق اس کتاب کی ابتدا میں بھی کچھ کہا گیا ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کی دوسری گرفتاری کے وقت میرواعظ یوسف شاہ کو پتہ لگ گیا تھا۔ کہ شیر کشمیر نے اپنا اقتدار۔ اثر۔ رسوخ کسی حد تک جمایا ہے۔ اُس نے دیکھ لیا۔ کہ اب ہزاروں مسلمان اُس کے لئے اپنی جانِ عزیز تک قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اب اُس کے دل میں شکوک پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ اُس کا ان شکوک کے متعلق منشی اسد اللہ کی پارٹی سے ذکر کرنا ہی تھا۔ کہ انہوں نے

اُس کو اپنے دل کی کہی۔ اور یہ سعی کی۔ کہ وہ اس تحریک سے الگ ہو جاوے
حکومت نے دیکھ لیا۔ کہ شیخ محمد عبداللہؔ پر ڈور سے ڈالنا بے فائدہ
ثابت ہو رہا ہے۔ قید و بند کی سزا۔ روپیہ کی لالچ۔ عہدہ کی تمناہ۔ اُس کو اپنے مقصد
کے لئے جدوجہد سے باز نہیں رکھ سکتے۔ اِس لئے اُنہوں نے کوشش کی۔
کہ باقی مُسلم نمائندوں میں سے زیادہ اِقتدار اور اثر رسوخ رکھنے والے میر واعظ
کو پھسلایا جاوے۔ اُنہوں نے ایسا کرنے کے لئے منشی اسد اللہ غلام محمد پنڈت
اور دیگر سرکار پرست مسلمانوں کی جماعت کو کام میلایا۔ اگرچہ کئی ہمدردان تحریک کا
خیال ہے۔ کہ راجہ ہری کشن کول نے اس مقصد کی کامیابی کے لیے ہزاروں
روپیہ بھی خرچ کئے۔ جس میں سے ایک خطیر رقم میر واعظ کو بھی دی گئی۔ لیکن یہ بات
اِس وقت تک پایہ ثبوت تک نہیں پہنچی ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے۔ کہ جب شیخ محمد عبداللہ
کو بند موٹر کار میں پنڈت جیون لال مٹو کے مکان پر بحیثیت قیدی کے پہنچایا گیا۔
تو اُس وقت حکومت کو اپنے اِس مشن میں ایک گونہ کامیابی بھی حاصل ہو چکی تھی۔
کیونکہ میر واعظ یوسف شاہ نے اُنہیں یقین دلایا تھا۔ کہ وہ شیر کشمیر کو اِس بات
پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ کہ وہ فی الحال اپنی سیاسی تقریروں کا سلسلہ بند کر دے
میر واعظ سمجھتا تھا۔ کہ ایسا کرنے سے وہ دو جانور ایک ہی پتھر سے مار سکتا ہے
حکومت کے حلقوں میں اپنا وقار قائم کر سکتا ہے۔ اور شیخ محمد عبداللہ
کی تقریریں بند کرنے سے اُس کی ہر دلعزیزی کم بھی ہو سکتی ہے۔

لیکن جب شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقاء کی رہائی کے بعد یہ
معاملہ نمائیندگان کمیٹی کے سامنے رکھا گیا۔ تو کمیٹی نے میر واعظ یوسف شاہ

کی تجویز کو رد کر دیا۔ اور فیصلہ کیا۔ کہ وُہ خلاف قانون تقریروں کے سوا ہر قسم کی تقریریں کر سکتے ہیں۔ جب کمیٹی کی دوسری سٹنگ میں پہلی سٹنگ کی کارروائی پر تصدیق کی جا رہی تھی تو میر واعظ یوسف شاہ نے خواجہ غلام احمد عشائی کو الگ لے جا کر کہا۔ کہ اگر شیخ محمد عبد اللہ نے اپنی تقریروں کا سلسلہ جاری رکھا۔ تو میرا وقار حکومت میں ختم ہو جائیگا۔ اس لئے اچھا ہوتا اگر وُہ کم از کم ایک ہفتہ کے لئے تقریر کرنا بند کر دیگا شیر کشمیر نے یہ تسلیم کر لیا۔ لیکن آنیوالی سنیچر وار کے روز خانقاہ مڈل سکول کا سالانہ اجلاس تھا۔ میر واعظ ہمدانی نے شیخ محمد عبد اللہ کو اس جلسہ میں تقریر کرنے کی دعوت دی۔ میر واعظ ہمدانی چاہتا تھا۔ کہ اگر جلسہ میں شیخ محمد عبد اللہ حاضر نہ ہونگے تو رنگ پھیکا پڑ جائیگا۔ اس لئے اُس نے شیر کشمیر کی حاضری لازمی اور لابدی سمجھی۔ شیخ محمد عبد اللہ کو اپنے لفظ کا پاس تھا۔ اُس نے کوشش کی کہ جلسہ برخاست ہونے کے بعد حاضر ہو جائے۔ جلسہ ختم ہونے کا وقت ۵ بجے تھا۔ وُہ جلسہ گاہ میں ۶ بجے پہنچا۔ لیکن حاضرین بیقرار اُس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ میر واعظ ہمدانی نے تقریر کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے حیل وحجت سے کام لیا۔ اور اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ لیکن میر واعظ ہمدانی نے بتلا دیا۔ کہ یہ سب چالاکی میر واعظ یوسف شاہ کی ہے۔ جس نے اپنے سکول کے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے آپ سے ہر ایک مدد لی۔ لیکن میری رسوائی کے لئے آپ کو تقریر کرنے سے بھی روکا جاتا ہے

اس پر شیخ محمد عبد اللہ نے چند معمولی الفاظ میں حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور تعلیم کی بڑھائی کی۔ جس سے نہ تو حکومت کشمیر پر کوئی اثر ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہی میر واعظ یوسف شاہ کے وقار پر۔

میر واعظ یوسف شاہ کی نیت میں اگر تغیر نہ آیا ہوا ہوتا۔ تو وہ اس معمولی سے واقعہ کو فراموش کر سکتا تھا۔ لیکن حکومت کے چند کارندے خود غرض ملّا پرستوں کی جماعت نے اُس کو بھڑکایا۔ میر واعظ یوسف شاہ نے جامع مسجد کے اندر مسلمانوں کے ایک بھاری جلسے میں مسلم نوجوانوں اور اُن کی تحریک پر زبردست حملے کئے۔ اُنہوں نے بتایا۔ کہ یہ لوگ جو داڑھی منڈھاتے ہیں۔ پتلون پہنتے ہیں۔ اور مغربی عادات کے زیر اثر آئے ہوئے ہیں۔ قوم و ملک کا بھلا کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ عورتوں کو اپنے جلسہ میں شریک کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سوسائٹی میں بد اخلاقی پھیلانے کے ذمہ وار بن جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ اُن سے دور رہیں۔ اور اپنے ملک کو آنیوالی تباہی سے بچائیں۔ اگر میر واعظ نے خوف کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ کا نام اپنے وعظ میں نہ لیا تھا۔ لیکن جاننے والے جان گئے۔ کہ یہ سب کچھ اُن ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جلسے میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور افراتفری پھیل گئی۔ شیخ محمد عبداللہ کو جب یہ معلوم ہوا۔ تو اُس نے معاملہ نمائندگان کمیٹی کے سامنے رکھا۔ جس میں میر واعظ بھی شامل تھے۔ میر واعظ نے معافی مانگی اور کہا۔ کہ یہ شیخ محمد عبداللہ کے متعلق نہ تھا۔ بلکہ اُن دیگر نوجوانوں کے لئے جو مذہب کو بھول گئے ہیں۔

تار ہلانے والوں نے میر واعظ یوسف شاہ کو پھر بھڑکایا۔ اور اُس سے کہا۔ کہ اگر اس موقعہ پر اپنی خبر نہیں لیتے تو مستقبل میں کوئی پیش نہ چلے گی۔ اس پر ایک اور جلسے میں میر واعظ نے پھر شیخ محمد عبداللہ کی پارٹی پر حملے کئے جب یہ معاملہ بھی نمائندوں کی کمیٹی میں پیش ہوا۔ تو میر واعظ نادم ہوا۔ حق تو یہ تھا

کہ یوسف شاہ کے اندر کشمکش ہونے لگی تھی۔ کمیٹی کی میٹنگ میں وہ ملک و قوم کا خادم قربانی کا مجسمہ اور حریت کا شیدائی تھا۔ لیکن گھر پہنچتے ہر چند "معربیوں" کے درمیان شیر کشمیر کی ہر دلعزیزی کا حاسدانہ کینہ آدر ملاء اعظم رہ جاتا تھا۔

ابتدا میں یہ تنازعات فردی دکھائی دیئے۔ کیونکہ ہر ایک کی توجہ مطالبات کا میموریل بنانے اور دیگر زیادہ ضروری کام کی طرف لگی ہوئی تھی لیکن میرواعظ یوسف شاہ کی علیحدگی ان ہی اختلافات کا نتیجہ ثابت ہوئی۔ اس علیحدگی سے جو اثر سیاسیات کشمیر پر پڑا۔ وہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔

تیسری گرفتاری اور رہائی

چاپ ہبینے کے فسادات کے بعد حکومت کشمیر نے اجازت دی۔ کہ مسلمان اپنی شکایات و مطالبات پیش کرنے کے لئے مہاراجہ بہادر کی خدمت میں ایک وفد بھیجدیویں۔ شیخ محمد عبد اللہ کی گرفتاری سے پھر یہ معاملہ التوا میں پڑ گیا تھا۔ لیکن اُن کی رہائی پر اُنہوں نے پھر یہ زور دیا۔ کہ مسلمان تب تک مطمئن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اُن کے واجبی مطالبات کو منظور نہ کر دیا جائے۔ ہم نے لکھا ہے۔ کہ جیل سے رہا ہونا بھی اُنہوں نے پسند نہ کیا تھا۔ جب تک اُنہیں یہ اطمینان نہ دلایا جائے۔ کہ حکومت یہ محسوس کر رہی ہے۔ کہ فسادات کو روکنے کا ایک واحد ذریعہ یہی ہے۔ کہ مسلمانوں کی تالیف قلوب کی خاطر اُن کی آواز پر غور کیا جائے۔ مسلم نمائیندگان تو منتخب ہوئے تھے۔ اس لئے میموریل پیش کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

ابھی میر واعظ یوسف شاہ نے مسلم نمائیندگان سے علیحدگی کا اعلان نہ کیا تھا۔ وہ شیخ محمد عبد اللہ کے خلاف کبھی کبھی اشارتاً اپنے وعظ میں کچھ کچھ کہا کرتے تھے۔ لیکن یہ جرأت نہ ہوتی تھی۔ کہ سیاسیات کشمیر کے متعلق اپنی ایک الگ تنظیم قائم کرے۔ اس لئے جب مہاراجہ بہادر کی خدمت میں مسلمانوں کی طرف سے جملہ شکایات و مطالبات کے متعلق ایک واضح میموریل کرنے کا موقعہ آیا۔ تو میر واعظ نے اپنی رضامندی سے اس پر دستخط کئے۔

مسلمانوں کا یہ وفد جس میں جموں کشمیر کے دس نمائیدگان شامل تھے۔ ۱۹ اکتوبر کے روز طالع منزل میں مہاراجہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ میموریل خواجہ سعید الدین شال صدر کمیٹی نمائیدگان نے پڑھا۔ اس میں شکایات و ضروریات پیش کرنے اور سیاسی قیدیوں کو معافی بخشنے کے لئے مہاراجہ بہادر کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ فرمانروائے ملک کو یقین دلایا گیا۔ کہ شورش بے وجہ اور بے بنیاد نہیں۔ بلکہ تکالیف و مصائب نے مسلم رعایا کی زندگی تلخ کر دی ہے۔ میموریل میں مہاراجہ بہادر اور اُس کے آبا کے نافذ کردہ اصلاحات کو تسلیم کیا گیا۔ لیکن یہ بھی بتایا گیا۔ کہ کوئی واحد شخص جموں کشمیر جیسے وسیع علاقہ کی بغیر دوسروں کے تعاون اور مدد کے نگرانی اور خبر گیری نہیں کر سکتا۔ رعایا آرام و بہبودی میں نہیں رہ سکتی۔ جب تک حکام پر تنقید کا حق حاصل نہ ہو۔ ایک فوری اعلان کا مطالبہ کیا گیا جو حکام ریاست کی ذہنی تبدیلی کا اظہار کرے۔ اُن تمام اہلکاران اور عہدہ داران کو مناسب سزا دیئے جانے کا مطالبہ کیا گیا۔ جنہوں نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح کر دئے۔ مساجد و مقابر و دیگر مقدس مقامات اور اُن کی متعلقہ جائدادیں جو حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ واپس دے جائیں۔ سیاسی تحریک میں موقوف یا معطل کئے گئے اشخاص کو بحال کیا جائے۔ سیاسی شورش میں مارے گئے یا زخموں سے بیکار ہوئے اشخاص کے پسماندگان کو معاوضہ دینا چاہیئے۔ سیاسی مجرموں کے مقدمات کو واپس لیا جاوے۔ ایک آزاد کمیشن مقرر کیا جاوے۔ جو ایام شورش میں سول و پولیس و فوج کے رویہ کی تحقیقات کرے۔ تقریر و تحریر کی آزادی۔ سوسائٹیاں اور انجمنیں بنانے کے متعلق وہی قانون جو برطانوی ہند میں رائج ہیں۔ نافذ کئے جاویں۔ حدود ریاست میں کامل مذہبی آزادی اور تبدیلی مذہب کے وقت ضبطی جائداد کا بھی رشتہ دار نہ ہو

میموریل میں نظامِ اساسی کے متعلق لکھا تھا۔ کہ وہ "ابدی اور کبھی نہ تبدیل ہو سکنے والے انسانی ابتدائی حقوق رعایا کے لئے پوری طرح محفوظ ہو جائیں"

نظامِ حکومت کے بارے میں لکھا گیا تھا۔ کہ ریاست کا انتظام ترقی پذیر نمائندہ حکومت کے طور پر ہو۔ وزراء میں مسلمانوں کا عنصر مسلمانوں کی تعداد آبادی کے مطابق ہو۔ اگر قابل ریاستی مسلمان اس کے لئے نہ ملیں۔ تو بیرون ریاست کے مسلمان لئے جا دیں۔ اگر ستر فیصدی ممبران لیجسلیٹو اسمبلی کسی وزیر پر عدم اعتماد کا ووٹ پاس کر دیں۔ تو اس کو الگ کر دیا جائے۔ وزراء مجلس وضع قوانین کے فیصلوں کے مطابق چلنے کی کوشش کریں۔ اگر کچھ لوگ رائے عامہ سے آگاہ رکھنے کے لئے مجلس آئین ساز ہونی چاہیئے۔ جس کو قانون سازی کے کلی اختیارات ہوں۔ اس مجلس کے ستر فیصدی ممبران منتخب شدہ نمائندہ اور تیس فیصدی نامزد ہوں۔ رائے دہندگی کا معیار جس قدر ممکن العمل ہو وسیع ہو۔

ریاست کے شہروں اور قصبہ جات میں میونسپلٹیاں ہوں جن میں منتخب شدہ ممبران کی اکثریت ہو۔ اور شہر میں انتظام کلی طور پر اُنہی کے ہاتھ میں ہو۔ صدر غیر سرکاری منتخب شدہ ممبران میں سے ہوں۔ میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے اختیارات وہی ہوں۔ جو پنجاب میں ہیں۔ اسمبلی کی طرح اُن میں بھی فرقہ وارانہ سیاست ہو۔

ہائی کورٹ کے ججان ستر فیصدی مسلمان ہوں۔

مالگذاری کی تشخیص اُن اصول پر ہونی چاہیئے۔ جو پنجاب میں مروج ہیں۔

ملازمتوں میں تقرری کا معیار کم سے کم قابلیت ہو۔ ہر ایک فرقہ کو اُن کی آبادی کے مطابق حقوق ملنے چاہئیں۔ اگر تعلیمیافتہ مُسلم نہ ملیں۔ تو کم تعلیمیافتہ مسلموں کو زیادہ تعلیمیافتہ غیر مسلموں پر ترجیح دی جاوے۔ ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کو بڑھا دیا جاوے۔ ایک پبلک سروس کمیشن مقرر کر دیا جاوے۔

اس میموریل کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر زمینداران کشمیر کی شکایات اور مطالبات الگ درج تھیں۔ جن میں حق ملکیت کا مطالبہ۔ محکمہ جات جنگلات مال۔ پولیس۔ شکارگاہ کے خلاف شکایات۔ رشوت ستانی کا انسداد۔ ملازمت پیشہ کو حقوق نہ ملنے کی درخواست۔ راجپوتوں کے مراعات کی غلط تعبیر۔ کاہچرائی کے ٹیکس کی زیادتی۔ نکر والوں پر ٹیکس۔ کشمیریوں کو اسلحہ جات رکھنے سے محرومیت ملٹری کالج کا قیام۔ کسٹم ڈیوٹی کے خلاف خاص شکایت۔ مزدوروں کی ابتر حالت کی تحقیقات کے لئے کمیشن کا تقرر۔ محکمہ تعلیم میں مسٹر شارپ کی تجاویز پر عمل کئے جانے پر زور۔ ہائی سکولوں کی تعداد میں اضافہ۔ صنعتی کالج کھولے جانے کی درخواست وغیرہ شکائتیں بھی درج تھیں۔

اس میموریل کا جواب مہاراجہ بہادر نے یہ دیا۔

حضور والا دولت نے اس میموریل کو جو آپ نے ابھی پیش کیا ہے۔ کمال دلچسپی کے ساتھ سماعت کیا ہے۔ چونکہ اس کی ایڈوانس کاپی کل رات کو دیر سے پیش ہوئی تھی۔ اور چونکہ آپ نے اس میں بعض ایسے اہم امورات کا تذکرہ کیا ہے جن کا بغیر غور و خوض فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ اندریں صورت حضور والا دولت آج ہی مفصل جواب دینے سے قاصر ہیں۔ الا آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں۔ کہ آپ کی عرضداشت پر غور کرنے اور اُس کے متعلق احکام صادر کرنے میں کوئی غیر ضروری

توقف نہ ہوگا۔

مابدولت کو یہ محسوس کرتے کمال مسرت ہوئی ہے۔ کہ آپ نے حضور ایں جانب کی اِس خواہش کا کہ حالات کو اُن کے اصلی پُر سکون حالات پر برقرار رکھا جاوے جس کا اظہار کہ مابدولت نے اعلان عفو عمومی میں بر موقعہ سالگرہ کیا تھا۔ وفاداری سے لبیک کہا ہے۔

آپ نے جو اِس عقیدت کا از سرِ نو اظہار کیا ہے۔ کہ مابدولت کی مُسلم رعایا ذات اور تخت کی وفادار ہے۔ اُس سے حضور ایں جناب متاثر ہوئے ہیں۔ اور حضورِ مابدولت یہ دلی کوشش کریں گے۔ کہ رعایا اور راعی کے درمیان رشتہ الفت بدستور قائم رہے۔

جن امور کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ وہ تین ضمنوں پر منقسم ہوئے ہیں

اوّل وہ امورات جن کے بارہ میں آپ نے تحقیقاتی کمیشنوں کے تقرر کی تجویز کی ہے۔

دویم وہ امور جن کا تعلق زیادہ تر مابدولت کی مُسلم رعایا سے ہے۔

سویم۔ وہ امور جن کا تعلق صرف مابدولت کی مُسلم رعایا سے نہیں بلکہ جو غیر مُسلم رعایا پر بھی موثر ہیں۔

۱۳ جولائی کو گولی چلانے کے متعلق آپ کو علم ہے۔ کہ اُس کمیٹی نے جس کے صدر سر برجور دلال تھے۔ بعد تحقیقات اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے۔ جو شائع ہو کر اِس وقت زیر غور ہے۔ مورخہ ۲۲ - ۲۳ - ۲۶ ستمبر کو گولی چلائے جانے کے واقعات کی تحقیقات کی غرض سے حضور ایں جناب نے ابھی ابھی ایک کمیشن مقرر کی ہے۔

امور متذکرہ ضمن دوئم پر جلد غور کر کے احکام صادر کیے جائیں گے۔

دوبارہ ضمن سوئم۔ مابدولت اس چیز کو بنظر پسندیدگی دیکھتے ہیں۔ کہ رعایا کو نظام حکومت میں شمولیت کا موقعہ دیا جاوے۔ مگر ایسی سکیم کی تفصیلات غور و خوض کی محتاج ہیں۔ اور حضور اینجانب کا ارادہ ایک ایسی کمیشن مقرر کرنے کا ہے۔ جو اس سوال کی بالتفصیل چھان بین کرے۔ یہ کمیشن افسران سرکاری اور ہر فرقہ متعلقہ کی غیر سرکاری نمائیندگان پر مشتمل ہو گی۔ اور اس کا صدر ایک ایسا افسر ہوگا جس کا تعلق ان فرقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی نہ ہو۔ اس کمیٹی کے ممبران کے نام کی فہرست اور ان امور کی تفصیل جو کمیٹی مذکور کو تفویض کیے جائیں گے۔ عنقریب شائع کیے جائینگے۔ سرکاری ملازمتوں میں مختلف فرقوں کی نمائیندگی کا سوال پہلے ہی زیر غور ہے۔ اور اس کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی کا اعلان جس قدر جلد ممکن ہوگا کیا جائیگا۔

مہاراجہ بہادر کا یہ جواب مسلمانوں کے لئے تسلی بخش ہوا۔ اور ان فسادات کے دوران میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ جب مسلمانوں نے حکومت کی اظہار کردہ پالیسی کے متعلق خوشنودی کا اظہار کیا۔

اس میموریل کے شائع ہونے سے دُنیا کو ثابت ہوا۔ کہ مسلمانوں کے پاس شکایات تھیں۔ اور یہ تمام شورش بے وجہ نہ اُٹھائی گئی تھی۔ چنانچہ اخبار ٹریبون نے بھی جو اس وقت تک یہی لکھتا تھا۔ کہ کشمیری مسلمانوں کی ایجی ٹیشن بیرون ریاست کے فرقہ پرست مسلمانوں کی تار ہلانے پر چل رہی ہے۔ اپنے ۲۲ اکتوبر کے لیڈنگ آرٹیکل میں لکھا:-

"کشمیری مسلمانوں نے آخر اپنے مطالبات پیش کر دئے۔ ..... لوگوں کو نظام حکومت میں حصہ دینا کشمیر میں ایسا ہی نہایت ضروری سکتا ہے۔ جیسا کہ برطانوی ہند میں۔ اس لئے یہ بہترین ہوگا۔ اگر مہاراجہ اور اس کے اہلکار اپنے

مطلق العنانہ حکومت کے کماحقہٗ حصے سے دست بردار ہوں۔ یہ کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہندو مہاراجہ کی رعایا کی کثرت مسلمان ہے۔ اگر برطانوی ہند کے لوگ ایسے بادشاہ کے ماتحت پوری ذمہ دار حکومت کے خواہشمند ہیں جن کا مذہب اُن کے مذہب سے مختلف ہے۔ تو کشمیری بھی ایسا کر سکتے ہیں...... ہم مسلمانوں کے فرقہ وارانہ مطالبات کے خلاف ہیں۔ لیکن وفد کے ان سیاسی مطالبات کے ساتھ ہمیں پوری ہمدردی ہے۔ جس میں اُنہوں نے انسانی ابتدائی حقوق۔ مذہبی آزادی۔ تقریر و تحریر کی آزادی پریس کی آزادی سٹیٹ سبجکٹس کے ساتھ مساوی سلوک۔ میونسپل فرنچائز میں ریفارم۔ لوکل باڈیوں میں لوگوں کا کنٹرول۔ مالگذاری میں تخفیف۔ رشوت ستانی کا انسداد۔ کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ آئینی حکومت کا قیام وغیرہ ایسے مطالبات ہیں جنھیں ریاست کی مسلم رعایا غیر مسلموں کے ساتھ ملکر آواز بلند کر سکتی ہے۔ جیسا کہ مہاراجہ بہادر کے جواب سے معلوم ہوتا ہے۔ شہر کے فسادات کی تحقیقات کے لیے مسٹر مڈلٹن کو مقرر کیا گیا تھا۔

مہاراجہ بہادر کےلیے جواب کی رُو سے پتھر مسجد جو بہت دیر سے حکومت کے قبضہ میں تھی۔ اور تسال رکھنے کے لئے کوٹھار کے طور پر استعمال کی گئی تھی چند شرائط پر مسلم نمائندگان کے حوالے کر دی گئی۔

اُنہوں نے ان چند شرائط کے خلاف یکم نومبر مہاراجہ بہادر کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیج دی جسمیں التجا کی گئی۔ کہ دیگر مطالبات و شکایات پر جلد تریں غور کیا جاوے۔ اور حکومت کی پالیسی کے متعلق اعلان کر دیا جاوے[1]

کشمیر میں یہ ہو رہا تھا۔ تو پنجاب میں سیاسیات کشمیر کے متعلق کام کرنے والی دو جماعتیں الگ ہی کھچڑی پکا رہی تھیں۔ قادیانی تو آئینی طور پر کام کر رہے تھے

[1] سٹیٹسمین مورخہ ۴ نومبر ۱۹۳۱ء

لیکن احرار چاہتے تھے۔ کہ اُن پر سبقت لے جائیں۔ ایسا کرنے کے لئے انہوں نے کانگریس کے سول نافرمانی کے پروگرام پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور مظہر علی اظہر کی سرکردگی میں والنٹیروں کے جتھے ریاست کو بھیجنے شروع کر دئے۔ جو ریاست کی حدود پر پہنچکر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرتے تھے۔ یا اندر جاکر کھلبلی مچانا چاہتے تھے۔ اُن کا مدعا یہ تھا۔ کہ ریاست کی نظام حکومت تنگ آکر اُن کے ساتھ انہی کی شرائط پر صلح کرنا قبول کرے۔ یہ جتھے کچھ تو کوہالہ کی طرف سے وادی کشمیر میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اور کچھ جموں میں سوچیت گڑھ کی طرف سے داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ حکومت کشمیر نے دیکھ لیا۔ کہ اگر یہ اندر داخل ہو جائیں۔ تو فرقہ وارانہ فسادات اور سیاسی شورش پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے اُن کو حدود ریاست پر پہنچتے ہی گرفتار کرنے کے احکام جاری کر دئے گئے۔

کشمیری احراریوں کی اس یورش سے متاثر نہ ہوئے۔ اور مسلمانان کشمیر نے ان کے ساتھ تعاون نہ کیا۔ لیکن جموں کے مسلمانوں کا ایک حصہ اُن کے نرغے میں آگیا۔ چنانچہ مسٹر اللہ رکھا ساغر نے حکومت کو ۲۴ گھنٹے کا نوٹس دیدیا کہ مطالبات کو منظور کر دیا جائے۔ جب ایسا نہ ہوا۔ تو اُس نے اپنے آپ کو انجمن سرفروشان کے صدر سے سول نافرمانی شروع کر دی۔ اور انقلاب کے ضبط شدہ پرچوں کو سربازار فروخت کرنا شروع کر دیا۔ اُس کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور ساتھ ہی دو ہزار کے قریب احراری والنٹیروں کو بھی زیر حراست لے لیا گیا۔ جن میں مظہر علی اظہر بھی تھا۔ جب احراری جتھے جموں میں سوچیت گڑھ کے راستے کو چھوڑ کر ایک گاؤں سے داخل ہونا چاہتے تھے۔ تو وہاں ہندوؤں نے اُن کو ایسا کرنے سے روکا۔ احراری

اس سے ناراض ہوئے۔ اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی۔ یہ خبر جموں پہنچ گئی۔ تو ہندو مسلمان مشتعل ہوئے۔ اور ۲ نومبر کے روز وہاں سخت فرقہ وارانہ فساد ہوا جس میں طرفین کے کئی آدمی مارے گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اور کئی دوکانوں کو لوٹا گیا۔[۵۱]

احراری جتھے پھر بھی جموں میں داخل ہوتے رہے۔ مظہر علی کو دو سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ جموں میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیا۔ لیکن پھر بھی آگے گھُس کے حملے ہوتے رہے۔ جموں کے ہندو خوف زدہ ہو گئے اور اُنہوں نے ہڑتال کر دی۔ جب دربار سرینگر سے جموں روانہ ہوا۔ اور مہاراجہ بہادر اور منسٹران ۴ نومبر کے روز جموں پہنچے۔ تو شہر میں ہڑتال تھی۔ ملٹری گشت لگا رہی تھی۔ منسٹروں نے لوکل لیڈروں سے بات چیت کی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سربر آوردہ مسلمانوں کی میٹنگ بلائی۔ لیکن ایک مسلمان کے سوا کوئی حاضر نہ ہوا۔ گرفتار شدہ احراری والنٹیروں کی تعداد ۲۰۰۰ تک پہنچ گئی۔[۵۲]

اِن حالات کے درمیان مہاراجہ بہادر نے اب یہی مناسب سمجھا کہ حکومت ہند سے مدد طلب کی جائے۔ چنانچہ جب ایسا کیا گیا۔ تو وہ برطانوی حکومت جو اس تمام فسادات کو بغیر کسی تلملاہٹ کے دیکھ رہی تھی متحرک ہو گئی اور وائسرائے نے ۴ نومبر کے روز آرڈیننس جاری کر دیا جس کی رو سے حکومت پنجاب کو خاص اختیارات دیئے گئے۔ کہ وہ حدود ریاست کے اندر جانے والے جتھوں کو روک دے۔ اِس کے علاوہ گورہ فوج اپنے افسران کے ماتحت ریاست کو روانہ کر دی گئی۔ جو حالات پر قابو پائے۔

کشمیر آرڈیننس کے جاری ہونے اور گورہ فوج کے ریاست میں

---

[۵۱] ٹربیون مورخہ ۴ و ۵ و ۶ نومبر ۱۹۳۱ء۔ [۵۲] ٹربیون ۶ نومبر ۱۹۳۱ء

داخل ہونے سے سیاسیاتِ کشمیر کا نیا باب شروع ہوتا ہے۔ مہاراجہ بہادر
ہری سنگھ نے جو برطانوی افسروں کو اپنی ریاست میں نہیں چاہتے تھے۔ اور حکومت ہند
کی مداخلت کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ با دلِ ناخواستہ اُن کی اطاعت قبول کر لی
اور اُس سے درخواست کی کہ وُہ ریاست کو ان خوفناک فسادات سے آزاد کر
دے۔

۱۹ اکتوبر کے میموریل کے جواب میں جس سرکاری اور غیر سرکاری ممبران پر
مشتمل کمیشن کا ذکر کیا گیا تھا۔ اُس کی صدارت کے لئے اُنہوں نے حکومت ہند
کو ایک تجربہ کار آفیسر کی خدمات بہم پہنچانے کے لئے بھی لکھا۔ حکومت ہند
نے مسٹر داب۔ سر۔ بی جے گلینسی آف پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو اُن فرائض کی
انجام دہی کے لئے نامزد کر دیا۔ مسٹر گلینسی ۲ نومبر کو سرینگر پہنچے۔ اور ہندو
مسلم و سکھ نمائیندگان سے گفت و شنید کے بعد مہاراجہ بہادر کو کمیشن کے
کام اور ممبران کی نامزدگی کے متعلق مشورہ دیا۔ اِس مشورہ کے حاصل ہونے پر
مہاراجہ بہادر نے ۱۲ نومبر کو مفصلہ ذیل تاریخی اعلان شائع کیا:۔

کچھ مدت سے میری توجہ ان شکایات کی طرف دلائی گئی ہے۔ جن میں بتایا
گیا ہے۔ کہ ریاست میں مذہبی آزادی پر بندشیں ہیں۔ ان شکایات سے
مجھے انتہائی دکھ ہوا ہے۔ اور میں اپنی رعیت کو یقین دلانا چاہتا ہوں۔
کہ میری ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے۔ کہ ریاست میں رہنے والے تمام فرقہ جات
کو اپنے مذہبی عقائد پر چلنے کی آزادی ہو جس میں قطعاً کوئی رکاوٹ نہ ہو
یہی میری حکومت کی پالیسی بھی ہے۔ یہ میری چاہ ہے۔ کہ اِس معاملہ کے

متعلق کوئی بھی بدگمانی جلدی دور کی جائے۔ اور ماتحت افسران کی طرف سے اس پالیسی کے چلانے میں کوئی بھی قابل نوٹس میں لایا جاوے۔ اور درست کیا جاوے میری درخواست پر حکومت ہند نے ایک غیر جانبدارانہ افسر کی خدمات بیرون ریاست سے بہم پہنچائی ہیں۔ جو موجودہ شکایات کی تحقیقات کر کے اُن کو دور کرنے کے لئے سفارشات کریگا۔ اُس افسر کا نام جو اس کام کیلئے منتخب کیا گیا ہے۔ مسٹر بی۔ جے۔ گلینسی ہے۔ جو اہالیانِ کشمیر کے پاس کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ کیونکہ اُس کی بیش قیمت خدمات جو اُس نے شمالی سکیم کے متعلق ریاست اور میری رعایا کی چند سال پہلے انجام دی ہیں اچھی طرح معلوم ہیں۔ جو مشکلات پہلے اس سلسلہ میں درپیش آئی تھیں خوش قسمتی سے متعلقین کی بہبودی کے لئے دور ہو گئی ہیں۔ اس کے لئے اُن تدابیر کا شکریہ جو میری حکومت نے مسٹر گلینسی کی سفارش پر عمل میں لائی ہیں۔

(۳) اس لئے مجھے امید ہے اور یقین ہے۔ کہ مسٹر گلینسی پر میری رعیت کو بھروسہ رہیگا۔ اور میری رعایا کا ہر ایک طبقہ اُن کو اپنے کام میں ہر طرح امداد دیتا رہیگا۔ میرے احکام کے ماتحت مسٹر گلینسی مختلف فرقہ جات کے نمائندگان کے ساتھ ملے اور اُن سے مکمل حالات پر بحث ومباحثہ کرے۔ تاکہ تحقیقات کے لئے ایک پُرامن فضا پیدا کی جائے جو کہ اس کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مسٹر گلینسی کو اس تحقیقات میں چار غیر سرکاری ممبران امداد دینگے۔ جن میں دو مسلم اور دو غیر مسلم ہوں گے۔

اِن ممبران کو اپنے اپنے فرقہ کے نمائندگان نامزد کریں گے۔ جس سے اُن کو اپنے اپنے فرقہ جات کا مکمل نمائندہ تصور کیا جانا چاہیے۔

"کمیشن کا پہلا کام یہ ہوگا۔ کہ وہ اُن تمام درخواستوں کی تحقیقات کرے جو میری غور کے لئے پیش کی گئیں ہیں۔ یا جو اب کمیشن کے سامنے رکھی جائیں گی اور جن میں یہ شکایت ہو۔ کہ ریاست میں کسی فرقہ کے مذہبی عقائد پر چلنے کے متعلق کسی قسم کی کوئی بھی بندش ہو۔ تحقیقات کے اس حصے میں اس پر بھی غور ہوگا۔ کہ وہ مکانات یا مقامات جو اس وقت حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ لیکن کوئی فرقہ اُس مکان یا مقام کو اپنی عبادت گاہ سمجھتا ہے۔ واپس کر دیا جائے۔ بشرطیکہ اُن کے متعلق کوئی احکام اِس سے پیشتر جاری نہ کیا گیا ہو۔

"میری حکومت کی کوئی ایسی خواہش نہیں۔ کہ ایسے کسی مکان یا مقام کو جو کسی مذہب کی عبادت گاہ کے طور پر استعمال کی گئی تھی اپنے قبضہ میں رکھے۔ قدم اٹھایا جائیگا۔ کہ جن کے متعلق کوئی جھگڑا نہ ہو۔ بغیر کسی دیر کے واپس کر دے جائیں۔ کمیشن ایسی تکلیفات کے متعلق بھی تحقیقات کریگا جن میں دکھایا جاوے۔ کہ میری رعایا کا کوئی طبقہ یا حصہ اپنے مذہب پر چلنے کے سبب سے کوئی تکلیف اٹھا رہا ہے۔

"اِس کے بعد کمیشن اُن شکایات کی تحقیقات کریگا جو تمام قسم کی ہوں۔ جو کسی خاص قسم کی مذہب کے متعلق نہ ہوں۔ اِن تمام معاملات کے متعلق کمیشن بہت جلد تحقیقات کریگا۔ اور اپنی سفارشات میری حکومت کے پیش کرے گا۔ جس پر پھر وہ ہمدردانہ غور کر کے ضروری احکامات جاری کرے

دے گی :۔

"میری یہ خواہش ہے۔ کہ ریاست کے موجودہ ریگولیشن میں جو شقیں یا الیوسی۔ ایشن ہا اور عام جلسوں یا خیالات میں آزادانہ رائے کے اظہار کے متعلق نافذ ہیں۔ ایسی ترمیم کی جائیں۔ تاکہ اُس کو برطانوی ہند کے قوانین کے مطابق اُس حد تک بنایا جائے جس حد تک وُہ میری رعایا کے مفاد اور بہبودی کے لئے بن سکیں۔ مسٹر گلینسی کے ساتھ مشورہ کر کے ریاست کے ریگولیشن کو ترمیم کا کام عنقریب ہاتھ میں لیا جاویگا۔

"میرا خیال ہے۔ کہ میری رعایا کو حکومت کے ساتھ وابستہ کرنے کے لئے تدابیر اختیار کئے جائیں۔ "میری خواہش ہے۔ کہ تمام فرقہ جات کے نمائندگان ریاست کے کام کو چلانے کے لئے اپنے خیالات کا اظہار کر کے حکومت ریاست میں حصہ لیکر اُس کی امداد کیا کریں "جب موجودہ شکایات و تکالیف کے متعلق کمیشن کی تحقیقات ختم ہو جائے گی۔ تو میرا ارادہ ہے۔ کہ ایک کانفرنس زیر صدارت مسٹر گلینسی بلائی جاوے۔ جس میں میری رعایا کے مختلف طبقہ جات کے نمائندگان شامل ہوں گے۔ تاکہ آئینی اصلاحات کے عمل میں لانے کے لئے اچھے بہترین تدابیر پر بحث کر کے میرے غور اور ارشاد کے لئے سفارشات کی جاسکیں :۔

مہاراجہ بہادر کا یہ اعلان سننے کے لئے مُسلم وغیر مسلم نمائندگان راجہ ہری کشن کول کے دفتر میں حاضر ہوئے۔ کشمیری مسلم رہنماؤں نے عبداللہ

شیخ محمد عبداللہ



اپنے طالب علمی کے خاتمہ پر سکول ماسٹر کی حالت میں

محمد اسمٰعیل غزنوی اور سید بڈھے شاہ سوبھ جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبران تھے بھی شریک ہوئے تھے۔ تمام حاضرین نے مہاراجہ اور وزیر اعظم کا شکریہ ادا کیا۔

اس اعلان کے شائع ہونے سے ریاست کے تمام فرقہ جات کے اندر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف سے حکمران کے حسن تدبیر کے لئے خراج تحسین حاصل ہونے لگا۔ ۱۲ نومبر کے روز سرینگر میں ۳۰ ہزار مسلمانوں کے اجتماع میں شیخ محمد عبداللہ نے مفصلہ قرارداد پیش کی۔

"مسلمانان کشمیر کا اجلاس مہاراجہ بہادر کے ۱۲ نومبر کے احکامات کو خوش آمدید کرتا ہے۔ جس میں مسلمانوں کے ابتدائی حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور جس کا اعلان ہمدردانہ اور محبت آمیز الفاظ میں کیا گیا ہے۔ یہاں ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ یہ اظہار کیا جائے کہ مسلم رعایا ہمیشہ مہاراجہ بہادر کی ذات اور تخت کی وفادار رہی ہے۔ اور رہے گی۔ اور امید کرتی ہے۔ کہ جو دلچسپی مہاراجہ بہادر نے مسلمانوں کی شکایات کو دور کرنے کے لئے لی ہے۔ اس سے اچھے نتائج پیدا ہونے ضروری ہیں۔ مسلمان اپنے وفادارانہ تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔

یہ اجتماع وزیر اعظم کی اس قیمت بھری تقریر کے لئے جو انہوں نے اس تاریخی اور اہم حکم کو سنانے سے پہلے اور بعد کی ان کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور امید کرتا ہے۔ کہ ایسے ہی

ہمدردانہ طریقہ پر تمام مشکلات کا حل کیا جائیگا"
جامع مسجد سرینگر۔ بارہمولہ۔ سوپور وغیرہ جگہوں پر بھی اس قسم
کے ریزولیوشن ہزارہا مسلمانوں کے مجموعہ میں پاس کیے گئے۔ کشمیر کمیٹی
کے چند ارکان نے بھی اس پر اطمینانِ قلب کا اظہار کیا۔؎

لیکن احراری رہنماؤں پر نہ تو ان احکام کا کوئی اثر ہوا۔ نہ جموں کے
فرقہ دارانہ فسادات کا۔۔ اور نہ ہی کشمیر آرڈیننس کا۔ وہ چاہتے
تھے۔ کہ قادیانیوں پر بازی لے جائیں۔ انہیں کیا ضرورت پڑی تھی۔ کہ وہ
مسلمانانِ ریاست کی رائے بھی حاصل کرتے۔ وہ والنٹیروں کو بھرتی کرتے جاتے
تھے۔ اور بھیجتے رہے۔ ریاست میں سات ہزار کے قریب والنٹیر
گرفتار کر لئے گئے۔ اور اس سے بھی زیادہ پنجاب کی جیلوں میں بھیج
دئے گئے۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ جموں کے مسلمانوں کا ایک حصہ
احراریوں کے نرغے میں آ گیا تھا۔ اور وہ اُن کے ساتھ ساتھ کام کر
رہے تھے۔ لیکن کشمیری مسلمان اب گلینسی کمیشن کے سامنے جو مواد رکھنے
کے لئے سرگرمی سے کام کر رہے تھے۔ اُنہوں نے مسٹر اللہ رکھا ساغر
کی گرفتاری پر پروٹسٹ کا ایک ریزولیوشن پاس کر دیا۔ لیکن اس سے
زیادہ کچھ نہیں۔

جموں کے ایک اور لیڈر قاضی گوہر رحمان بھی احراریوں
کے ساتھ مل گیا۔ اور اُس نے میرپور کی طرف دیہات میں سول نافرمانی
کا پرچار کیا۔ لوگوں کو بتایا۔ کہ وہ مالیانہ ادا نہ کریں۔ اُس نے ایک

؎ رنبیر جموں ۱۵-۱۶ نومبر ۱۹۳۲ء

اشتعال انگیز بیان شایع کیا۔ میرپور کی طرف زیادہ فوج کے ریٹائرڈ شدہ ملازمین رہتے تھے۔ وہ اس سے بہت مشتعل ہوئے۔ اور اس علاقہ میں شدید ترین فرقہ وارانہ فسادات بپا ہو گئے۔ مسلمانوں کی تحریک میں یہ فسادات بھی وجیانا گر اور مہاراج گنج کے لوٹ کی طرح بدنما دھبہ ہیں جن سے اُن کی آزادی کی جنگ دشمنوں کی نظروں میں مکروہ فرقہ وارانہ جد وجہد شمار ہونے لگی۔

جموں اب ناشنیدنی فسادات کا آماجگاہ بن گیا۔ میرپور میں گاؤں کے گاؤں جلا کر خاکستر ہو گئے۔ اس علاقے میں سڑکیں بھی نہ تھیں۔ اس لئے فوج یا پولیس مصیبت زدگان کی امداد کے لئے وقت پر نہ پہنچ سکی۔ بلکہ کئی دن تک پتہ بھی نہ چلا۔ کہ اس علاقہ میں کیا ہو رہا ہے۔ صرف ہوائی جہاز کے ذریعہ کچھ کچھ حالات دریافت کئے جاتے تھے۔ اس علاقہ کو ایک برطانوی انگریز کے ماتحت رکھا گیا جس نے گورہ فوج کی امداد سے علاقہ میں امن کرنا شروع کر دیا۔ قاضی گوہر رحمان کو گرفتار کر لیا گیا۔

کشمیری مسلمانوں پر اُن حالات کا کوئی خاص اثر نہ پڑا۔ مسلم نمائندگان نے ایک خاص میٹنگ میں جس میں شیخ محمد عبداللہ اور میر واعظ یوسف شاہ دونوں حاضر تھے۔ فیصلہ کر لیا۔ کہ شورش پسند احراریوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ ان کے ساتھ تعاون کرنے سے وہ حکومت منصفانہ اور

حکومت کشمیر دونوں کی ہمدردی کھو بیٹھے گے۔ اس لئے وہ چپ چاپ گلینسی کمیشن کے کام میں مشغول ہو گئے۔

لیکن قدرت کو ایسا منظور نہ تھا۔ بتایا جاتا ہے۔ کہ مفتی ضیاالدین آف پونچھ کے چند خطوط حکومت کشمیر کو حاصل ہوئے جس میں اس نے عبدالرحیم درد کو حکومت کشمیر کے خلاف کچھ کارروائی کرنے کی درخواست کی تھی۔ اپنی رعیت کی یہ کارستانی مہاراجہ بہادر کو ناگوار گزری۔ اس لئے مفتی کو کشمیر سے نکل جانے کا حکم جاری ہوا شیخ محمد عبداللہ کو خدشہ ہوا۔ کہ اگر مفتی ضیاالدین کو اس موقعہ پر نکال دیا جائیگا۔ تو خاموش کشمیر پھر ایک شعلہ زار بن جائیگا۔ اس لئے اس نے ٹھاکور (اب راؤ بہادر ٹھاکور) کرتار سنگھ گورنر کشمیر سے مل کر درخواست کی۔ کہ حکومت سے درخواست کی جائے۔ کہ وہ اس موقعہ پر ایسا قدم نہ اٹھائے۔ ٹھاکور کرتار سنگھ نے مشورہ دیا۔ کہ آپ وزیراعظم کے ساتھ فون پر ملیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے اقرار کیا۔ لیکن جب وہ فون پر ملنے گئے۔ تو اس کو دو گھنٹہ تک وہاں ٹھہرایا گیا۔ اور اس عرصہ کے اندر مفتی ضیاالدین کو لاری پر سوار کر کے جموں کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ مسٹر گلینسی بھی اس کے قبل اپنے رفقاء کے ساتھ جموں چلے گئے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ اُن سے ملے۔ اور واقعات بیان کر دئے مسٹر گلینسی نے مشورہ دیا۔ کہ وہ خاموش رہیں۔ اور مشتعل عوام کو بھی چپ کرنے کی تلقین کریں۔ لیکن حکومت کشمیر نے شیخ محمد عبداللہ کو اپنے مکان پر پہنچتے ہی زبان بندی کا حکم دیا۔ لیکن مسلمان مشتعل ہوئے

تھے۔ اس لئے جمعہ کے روز نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے لوگوں کو پر زور تلقین کی۔ کہ وہ حکومت کی اس کارروائی سے برافروختہ نہ ہو جائیں۔ اور واقعات کا امن سے مشاہدہ کرتے رہیں۔ آپ نے اُن سے یہ بھی کہا۔ کہ جموں جا کر وہ اِن ناخوشگوار واقعات کو درست بنانے کی کوشش کریں گے۔ مسلمانوں کا جوش اس تقریر سے ذرا ٹھنڈا پڑ گیا۔ حکومت نے ۱۹۔ ایل آرڈیننس جاری کر دیا تھا۔ اس لئے اُس نے یہ برداشت نہ کیا۔ کہ شیخ محمد عبداللہ کوئی تقریر کرے۔ اس لئے اسی تقریر کی بنا پر اُس کو شام کے وقت ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء کے روز اپنے ہوس لوٹ میں گرفتار کر لیا گیا۔ ہوس بوٹ کی تلاشی لی گئی۔ اور وہ تمام سامان۔ کاغذات حتےٰ کہ ٹائپ رائٹر تک جو گلینسی کمیشن کے سامنے مسلمانوں کی شکایات ضبط تحریر میں لانے کے لئے استعمال کیا جا رہا تھا۔ ضبط کر لئے گئے۔ شیخ محمد عبداللہ کو حسب لقہ بادامی باغ کوارٹر گارڈ میں لے جایا گیا۔ اور وہاں اُن پر آرڈیننس کے ماتحت مقدمہ چلایا گیا۔ آپ کو اپنی تقریر پڑھکر سنائی گئی۔ آپ نے تسلیم کیا۔ کہ یہ تقریر بہت حد تک درست ہے۔ فاضل جج نے مختصر سماعت کے بعد آپ کو چھ ماہ کی اس لئے سزا دی۔ کہ آرڈیننس کی رو سے کوئی تقریر کرنی قابلِ سزا تھی۔ لیکن جج نے یہ بتا دیا۔ کہ تقریر خلاف قانون نہ تھی۔ اور اس سے حکومت کو فائدہ پہنچ سکتا تھا نقصان نہیں۔ کیونکہ اس سے مشتعل ہجوم ٹھنڈا پڑ سکتا تھا۔ آپ کو بحیثیت سپیشل قیدی کے سنٹرل جیل روانہ کر دیا گیا۔

جیسی کہ توقع تھی۔ اس گرفتاری سے پھر بدامنی پیدا ہو گئی ریاست کے کونے کونے میں ہلچل مچ گئی۔ جلسے جلوس۔ اور دیگر مظاہرے پھر سے شروع ہو گئے۔ اور یہ مطالبہ عالمگیر ہونے لگا۔ کہ شیخ محمد عبد اللہ کو رہا کر دیا جائے۔ ہجوم کئی جگہوں پر قابو میں نہ رہ سکا۔ اور پولیس کو لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ اور فوج کو گولی چلانی پڑی۔ سردی کی وجہ سے لوگ کانگڑیاں لیے ہوئے تھے۔ جو پولیس پر پھینکی جاتی تھیں۔ بارہمولہ۔ سوپور۔ اور اوڑی میں گولی چلائے جانے کے باعث کئی آدمی مارے گئے۔ اور کئی زخمی ہوئے۔ والنٹیر دھڑا دھڑ جیل جا رہے تھے۔ اور بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ملک میں امن قایم نہ ہو سکیگا۔ لیکن جاڑے کی وجہ سے جلدی ہی حالات پر قابو پا لیا گیا۔

صوبہ جموں کے میرپور کے علاقہ سے نہایت ہی افسوسناک اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ لوٹ۔ غارت گری قتل۔ آتش زنی۔ اس تمام ڈسٹرکٹ میں عام ہو گیا تھا۔ اور یہ فسادات آہستہ آہستہ پھیل رہے تھے۔ کوٹلی اور پونچھ میں بھی اس کا اثر ہوا۔ اور وہاں راجہ کو قلعہ کے اندر پناہ گزیں ہونا پڑا۔ برطانوی فوج کی آمد اور امداد سے کچھ عرصہ کے بعد فسادیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور حالات کچھ بہتر ہونے لگے۔ اب کشمیر میں انگریز نے اپنا ڈیرہ ڈال دیا تھا۔ اور اس سکیم کی تکمیل کے لئے حکومت ہند کی طرف سے مہاراجہ بہادر ہری سنگھ کو اشارہ ہوا۔ کہ وہ ایک انگریز وزیر اعظم کو ملازمت میں لینا منظور کرے۔ اس کو ایسا کرنے کے بجز اور چارہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ مہاراجہ بہادر نے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ

رشہ ٹربیون مورخہ یکم فروری ۱۹۳۲ء

سے کسی تجربہ کار آفیسر کی خدمات عطا کرنے کے لئے درخواست کی۔ گورنر جنرل نے کرنل کالون کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ ماہ مارچ کی ابتدا میں ہی کرنل کالون نے اپنے نئے عہدے کا چارج لیا۔ اور راجہ ہری کشن کول سبکدوش کر لیا گیا۔

گلینسی کمیشن نے بھی ماہ مارچ کے وسط میں اپنا کام ختم کر لیا۔ اور اپنی رپورٹ مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش کر دی۔ مسٹر گلینسی کی صدارت میں مہاراجہ بہادر کے ۱۲ نومبر کے احکام کے مطابق ایک گول کانفرنس منعقد ہوئی جس میں عرقہ جات کے نمائیندگان شامل تھے۔ اس میں ریاست کے لئے لیجسلیٹو اسمبلی کا ڈھانچہ تیار کیا گیا۔ اور یہ رپورٹ بھی اپریل کے وسط میں حکومت کے پاس بھیجدی گئی۔

گلینسی کمیشن کی سفارشات کو مہاراجہ بہادر نے منظور کر لیا۔ اس سے مسلمان مطمئن ہوئے۔ اور ہر طرف سے اظہار تشکر ہونے لگا۔ ریاست کے اندر اور باہر مسلم رہنماؤں نے ان سفارشات کے منظور کئے جانے پر حکومت کی دور اندیشی اور حسن تدبیر کی داد دی۔ لیکن کشمیری پنڈتوں کا ایک حصہ اس رپورٹ کی چند سفارشات سے ناراض ہوا۔ اور انہوں نے سرینگر میں ایجی ٹیشن شروع کر دی۔ چند دن کے لئے ایجی ٹیشن زوروں پر رہی۔ سو سے زیادہ نوجوان جیل بھی گئے لیکن پھر اس تحریک کے رہنماؤں نے اس شرط پر کہ وہ آئیندہ کوئی غیر آئینی ایجی ٹیشن نہ کریں گے۔ آزادی حاصل کر لی۔ حکومت نے مناسب سمجھا۔ کہ اس شرط پر مسلم سیاسی قیدیوں کو بھی رہا کر دیا جائے

شیخ محمد عبداللہ نے مثل سابقہ لکھدیا۔ کہ جائز حقوق کے مطالبے کے لئے وہ ہمیشہ لڑتے رہینگے۔ لیکن غیر آئینی ایجی ٹیشن میں نہ کبھی حصہ لیا ہے۔ نہ لیں گے۔ اس شرط پر اُن کو معہ دیگر رفقاء کے ۱۲ جون کے روز سنٹرل جیل سے رہا کر دیا گیا۔

جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس

سنٹرل جیل سے رہا ہونے پر شیخ محمد عبداللہ کا اقتدار ملک میں انتہائی درجہ تک پہنچ گیا۔ اب سیاسیات کشمیر میں اُس کی شخصیت نمایاں طور پر ظاہر تھی۔ لوگ اُس کو پوجتے تھے۔ اور دیہات میں اُس کو ایک ولی سمجھا جاتا تھا۔ اس ہر دلعزیزی سے میر واعظ یوسف شاہ دل ہی دل میں کڑھنے لگا۔ ان کی تیسری گرفتاری پر میر واعظ نے جامع مسجد کے اندر اپنے ایک وعظ کے دوران میں بتادیا تھا۔ کہ گرفتار ہونا۔ بے ایمانوں اور کافروں کا کام ہے۔ مومن کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جس کی بنا پر اُس کو جیل بھیجدیا جائے۔ اس سے مسلمانوں کے درمیان بڑی سنسنی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن چونکہ میر واعظ نے اس وعظ میں شیخ محمد عبداللہ کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ نہ کہا تھا۔ اور چونکہ لوگ تحریک کے ساتھ زیادہ مشغول تھے اس لئے اُس وقت اس بات پر زیادہ دھیان نہ دیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے کچھ عرصہ بعد ہی یہ اختلافات بہت حد تک بڑھ گئے۔ اور ان سے جو نتائج برآمد ہوئے۔ اُن کے متعلق مفصل طور آگے چل کر لکھا جائیگا سردست ہم مسٹر عبداللہ کی دوسری سیاسی سرگرمی کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

گلینسی کمیشن رپورٹ کا مطالعہ کرنے پر شیخ محمد عبداللہ کو معلوم ہوا۔ کہ مسلمانوں کی قربانیاں رنگ لائی ہیں۔ اور اُن کے جتنے بھی جائز مطالبات تھے۔ وہ کما حقہ منظور کر دئے گئے ہیں۔ اُس نے دیکھ لیا۔ کہ فی الحال اُن کی تعلیمی اور سیاسی ترقی کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے جو کچھ دیا گیا ہے کافی ہے۔ اِس لئے اگر انہیں آئندہ کے لئے پھر جدوجہد میں شامل ہونا پڑے۔ تو اِس کے لئے ایک ہی آئینی جائز اور آسان طریقہ ہے۔ کہ ملک میں کوئی سیاسی تنظیم قائم کی جائے۔ آپ نے ایسا کرنے کے لئے اپنے رفقاء سے صلح مشورہ کرنے کے بعد ایک انجمن کی داغ بیل ڈالنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ اور جتنا بھی وقت آپ کے پاس تھا۔ آپ اِسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہے۔ کہ اِس تنظیم کو قائم کر دیا جائے۔ ابھی آپ اِسی فکر میں مبتلا تھے۔ کہ ستمبر کے مہینے میں شہر سرینگر فرقہ دارانہ فسادات کے بھنور میں پھنس گیا۔

مہاراجہ کشمیر کی سالگرہ کے سلسلے میں شہر میں صفائی ہفتہ منائے جاتے تھے۔ اور اِن دنوں جلسے اور جلوس منعقد ہوتے تھے۔ جن میں لوگوں پر صفائی کی اہمیت واضح کر دی جاتی تھی۔ اِس ہفتہ سے پیشتر حکومت کشمیر کے محکمۂ تعلیم نے گورو نانک وظائف کو مختلف اقوام کے طلباء میں تقسیم کیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ کشمیری پنڈت طلباء کے حصے میں بہت کم آیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ناراض ہوگئے۔ اور اُن کو مشورہ دیا گیا کہ وہ صفائی کے ہفتہ کے جلوس کا بائیکاٹ کر دیں۔ مسلمان طلباء نے

۲۱ ستمبر کے روز دل کھول کر حصہ لیا۔ شہر میں ڈیوڑھیاں بنائی گئی تھیں چند کشمیری پنڈت لڑکے تماش بینوں کی حیثیت سے بر لب سڑک تماشہ دیکھ رہے تھے۔

"بتایا جاتا ہے۔ کہ ایک مسلم رہنما کی تصویر کو چھیڑنے پر لڑائی ہوئی۔ جو شہر کے تمام حصص میں پھیل گئی۔ بہت جگہوں پر خوب پتھر برسائے گئے فوج تعینات کیا گیا۔ اور کرفیو آرڈر بھی نافذ کیا گیا۔"[1]

جب جلوس شہر سے گزر رہا تھا جب کدل پہنچنے پر فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ ہندو طلبار جو جلوس کا نظارہ دیکھ رہے تھے شیتل ناتھ کی طرف چلے گئے۔ وہاں جمع ہونے پر اُن کے ایک بزرگ نے نہایت ہی غیر دانشمندانہ طور پر ایک تقریر کی جس سے وہ مشتعل ہوئے

۲۲ ستمبر کو شہر میں بدامنی پھیل گئی۔ اور فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ ملٹری نے کئی جگہوں پر ہجوم کو منتشر کیا۔ لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا

۲۴ ستمبر کے روز مہاراجہ بہادر کی سالگرہ تھی۔ اس سلسلہ میں تمام پروگرام کو منسوخ کیا گیا۔ کیونکہ اس روز شہر کے اندرونی حصص میں بدامنی پھیل گئی۔ شہر میں مکمل ہڑتال تھی۔ صرف چند دوکانیں ریذیڈنسی سڑک پر کھلی تھیں۔ بہت کم طلبار سکول میں حاضر ہو سکے۔ کچھ کلرک لاریوں میں دفتر لائے گئے۔ پنڈت جیالال کلم کے مکان کا مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ پنڈت مذکور اور اس کا کنبہ لاری میں ملٹری نگارد کی نگرانی خالصہ ہوٹل میں لایا گیا۔ زخمیوں کی تعداد ۱۵۴ ہے۔ جس میں ۸۲ ہندو اور ۷۲ مسلمان ہیں۔ ایک کشمیری پنڈت اور ایک مسلمان عورت

[1] ٹربیون مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء

کے مرجانے کی اطلاع ملی ہے۔ شہر کے تمام ڈاک خانے بجز جنرل ڈاکخانہ کے بند ہیں۔ ڈاک یا چٹھی نہ جا سکی۔ پولیس اور ملٹری شہر کی گشت لگا رہی ہے۔"(۱)

جب فسادات کی خبر دیہات میں پہنچ گئی۔ تو وہاں بھی لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ چنانچہ اننت ناگ میں چند مفسدوں نے ہندو دکانوں کو لوٹ لیا۔ اور کئی آدمیوں کو زخمی کر دیا۔

۱۵ ستمبر کے روز بھی حالات میں کچھ فرق دکھائی نہ دیا۔ ہندو مسلمان محلہ سے نہ جا سکتا تھا۔ اور مسلمان بھی ہندو محلہ کے درمیان سے گزرتا خالی از خطرہ نہ پاتا تھا۔ سینکڑوں آدمی زخمی ہو چکے تھے۔ کئی ہلاک بھی ہو گئے۔ لیکن فسادات کی آگ فرو نہ ہو سکتی تھی۔

حکومت کشمیر کی تمام مشینری ان فسادات کو روکنے کے لئے استعمال کی گئی۔ لیکن بیکار ثابت ہوئی۔ شیخ محمد عبداللہ نے دیکھا۔ کہ بے گناہ لوگ مصیبت کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور اس کی وجہ صرف چند اصحاب کی غرضمندی ہوئی۔ تو آپ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ہندو اور مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کی سعی کی۔ جہاں سے بھی فساد کی اطلاع آتی۔ آپ موقعہ پر پہنچ کر ہندو اور مسلمانوں سے عرض کرتے۔ کہ وہ ملک اور مادر وطن کے نام کو بدنام نہ کریں۔ آپ نے ان دنوں اپنے عمل سے مثال قائم کر لی۔ کہ اگر کوئی دل سے ہندو مسلم اتحاد کا خواہشمند ہو۔ وہ اس کے لئے کس طرح کام کر سکتا ہے چنانچہ اخبار ٹریبون کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ

(۱) ٹریبون مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۱ء

"گوبند رام نامی کشمیری پنڈت کی لڑکی تین دن سے مر چکی تھی لیکن فرقہ دارانہ فساد کی وجہ سے جلائی نہ جا سکی۔ کشمیری پنڈت مسلم لیڈر مسٹر۔ ایس۔ ایم عبداللہ کے پاس گئے۔ اور انہوں نے اس کے جلائے جانے کا انتظام کیا"۔

حقیقت تو یہ ہے۔ آپ کے اس اخلاق کو دیکھکر غیر مسلم بھی آپ کے گرویدہ بن گئے تھے۔ اور جب آپ نے ۲۵ ستمبر کو ہندو مسلم اتحاد کے لئے اپیل کی۔ تو سبھوں نے اس کا لبیک کیا۔ دو بجے کے قریب ہندو مسلمانوں کے رہنما گول باغ شیر گڑھی میں جمع ہوئے۔ جہاں ہزاروں لوگ بھی اکٹھے ہوئے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے اس جلسہ میں تقریر کی۔ اور لوگوں کو بتایا۔ کہ وہ ایک قوم پرست ہیں۔ اور کشمیر کو جنت دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد کئی اور اصحاب نے بھی تقریریں کیں۔ ہندو مسلم فسادات کو آئندہ روکنے کے لئے ایک اتحادی بورڈ بھی اس جلسہ میں قائم کیا گیا۔ اور شام کو شہر کے درمیان سے ایک جلوس نکالا گیا جس میں اتحاد کے متعلق تقریریں ہوئیں۔ اس طرح سے اس شدید فرقہ دارانہ فساد کو روک لیا گیا۔

اب شیخ محمد عبداللہ پھر کشمیر مسلم کانفرنس کی داغ بیل ڈالنے کی طرف لگ گئے۔ آپ کے کئی رفقاء نے کہا۔ کہ ایک ایسی تنظیم کی اگرچہ ملک میں سخت ضرورت ہے۔ لیکن اس کو معرض وجود میں لانا مشکل ہے۔ لیکن آپ کی ان تھک کوشش اور دن رات

کی دوڑ دھوپ کے بعد یہ فیصلہ ہو کر ہی رہا۔ کہ ایک انجمن کو قائم کیا جائے جس کا نام آل جموں و کشمیر مُسلم کانفرنس ہو۔ اور اس کا پہلا اجلاس ۱۴۔ ۱۵-۱۶ر اکتوبر کو منعقد کیا جائے۔

شیخ محمد عبد اللہ نے چاہا تھا۔ کہ کسی قومی کارکن کو اس جلسہ کی صدارت کے لئے منتخب کیا جائے۔ لیکن تمام کارکنوں کی متفقہ خواہش تھی۔ کہ شیر کشمیر ہی ان اہم فرائض کی انجام دہی کیلئے قابل ترین ہستی ہو سکتی ہے۔

جموں کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کا پہلا اجلاس کل تمام کو سرینگر میں شروع ہوا۔ سرینگر اور دیہات کی مُسلم آبادی پر مشتمل ایک بھاری تعداد لوگوں کی جلسہ میں حاضر تھی۔ یہ کشمیر میں اپنی قسم کی پہلی کانفرنس ہے۔ اس لئے سرگرمی بہت دکھائی دیتی تھی۔ لوگ باقاعدہ طور پر کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔ شیخ محمد عبد اللہ کو حاضرین نے جوش بھرا خوش آمدید کہا۔ جب وہ کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے۔ جموں و کشمیر کے ڈیلیگیٹوں نے تقریریں کیں ؎

کانفرنس کا یہ پہلا اجلاس عالی شان ثابت ہوا۔ اس میں ہر فرقہ کے لوگ شامل ہوئے تھے۔ حنفی۔ شیعہ۔ سُنی۔ اور قادیانی بھی شیخ محمد عبد اللہ کی کوششوں سے یکجا ہو چکے تھے۔ میرواعظ یوسف شاہ کا پہلا جوش پھر عود کر آیا تھا۔ اور وہ بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے۔ مرزائی اور غیر مرزائی کے جھگڑے کو اُنہوں نے پس پشت ڈال کر قومی کام کو آگے دھکیل دیا تھا۔ پھر مسجد

؎ ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۳۲ء

پانچ دن کے لئے ایک زیارت گاہ بن چکی تھی۔ اور ایسا دکھائی دیتا تھا۔ کہ صدیوں کے خفتہ کشمیری پھر بیدار ہو چکے ہیں۔

اس کانفرنس میں ہندو بھی شامل ہوئے تھے۔ گو اُن کی حیثیت وزیٹرز کی سی تھی۔ اور وہ کارروائی میں کوئی حصہ نہ لے سکتے تھے لیکن پھر بھی شریک ہوئے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں گذشتہ سال کے تمام واقعات پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد مسلمانوں کو بتایا۔ کہ اُن کے مطالبات کیا تھے۔ اور اُن میں سے کون سے منظور ہوئے ہیں۔ اور باقی کیا رہا ہے۔ حکومت کو اُس نے بتا دیا۔ کہ اس اسمبلی کو ایک سال کے اندر اندر معرض وجود میں لایا جاوے۔ جس کا مسلمانوں نے مطالبہ کیا ہے۔ کیونکہ مسٹر گلینسی کی سفارشات اس معاملہ کے متعلق تسلی بخش نہیں۔ جو دیگر سفارشات مسٹر گلینسی نے کی ہیں۔ اُن کو جلدی عمل میں لایا جانا چاہیئے۔ اور جن مطالبات کو منظور نہ کیا گیا ہے اُن کے لئے ہمیں اس عرصہ میں ملک کے چار گوشوں سے تقاضوں پر زور دیتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ حکومت کو خیال نہ ہو۔ کہ مسلمان ان امور پر جو گلانسی کمیشن نے منظور کئے ہیں مطمئن ہو گئے ہیں اور اُن کی اُمنگیں دب کر ختم ہو گئیں ہیں۔[۱]

لیکن سیاسی سرگرمیاں ہی ایک قوم کو ترقی کی طرف نہیں پہنچا تیں۔ اس لئے آپ نے مسلمانوں کو تعلیم نسواں۔ سوشل ریفارم۔ صنعت و حرفت۔ صحت وغیرہ امور کی جانب توجہ دلانے کی

[۱] خطبہ صدارت صفحہ ۱۵

طرف راغب ہونے پر بھی انتہائی زور دیا۔

کانفرنس میں متعدد ریزولیوشن پاس کر دیئے گئے۔ جن میں حکومت سے استدعا کی گئی۔ کہ مسلمانوں کی اُن شکایات کو دور کیا جائے۔ جن میں تبدیلی مذہب پر ضبطی جائیداد۔ ملازمتوں میں آبادی کے لحاظ سے بھرتی۔ مالیہ میں تخفیف۔ فوج میں بھرتی۔ سیاسی قیدیوں کی رہائی۔ میرپور علاقہ سے ہنگامی قوانین کا ہٹایا جانا۔ جاگیر پونچھ کے باشندگان کو اسمبلی میں حق نمائندگی وغیرہ اہم تھیں۔ سلہ

ایک قرارداد کی رو سے صدر کانفرنس کو حق دیا گیا تھا۔ کہ وہ چار مہینے کے بعد جنرل کونسل کا اجلاس بلائیں۔ جس میں دیکھا جائے۔ کہ حکومت نے گلینسی کمیشن کی سفارشات پر عمل کیا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کوئی لائحہ عمل تیار کر کے حکومت پر دباؤ ڈال دیا جائے۔ کہ وہ ایسا کرے۔

کانفرنس کا کام ختم ہو جانے پر شیخ محمد عبداللہ بیرون ریاست چلے گئے۔ اور وہاں رہنمایان ہند سے تبادلہ خیالات میں مصروف رہے۔ متواتر کام کرنے کی وجہ سے آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ کسی ماہر ڈاکٹر سے صحت کے متعلق مشورہ بھی لینا چاہتے تھے۔

۱۷ دسمبر کو جموں میں مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حکومت کو پھر تنبیہ کی گئی۔ کہ وہ کانفرنس کے گذشتہ اجلاس میں پاس شدہ قراردادوں کی طرف متوجہ ہو۔ اور تقریر اور انجمن بنانے کی آزادی جلدی دی جائے۔

شیخ محمد عبداللہ ۱۷ر جنوری ۱۹۳۳ء کے روز پنجاب سے

سلہ ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۲ء

سرینگر واپس پہنچے۔ آتے ہی آپ پھر سیاسی کام میں مشغول ہوئے کانفرنس نے جو چار مہینے کا الٹی میٹم گورنمنٹ کو دے رکھا تھا۔ اُس کی میعاد ۱۶ رفروری کے روز ختم ہونی تھی۔ اِس لئے ۱۳ رفروری کو آپ نے ممبرانِ ورکنگ کمیٹی کے نام ایک گشتی مراسلہ روانہ کیا جس میں آپ نے حکومت کی غفلت اور تساہل کی سخت شکایت کرتے ہوئے لکھا کہ۔

"دوگلینسی سفارشات مسلمانوں کے اصل ترین مطالبات کو بھی پورا نہیں کریں لیکن افسوس کا مقام ہے۔ کہ یہ سفارشات اور احکامات کا غذی حد سے نہ بڑھنے پائیں چنانچہ مساجد و مقابر حق ملکیت زمین قیام انجمن ہا دپلیٹ فارم کی آزادی۔ اسمبلی کا افتتاح۔ تعلیم حاصل کرنے کے لئے سہولتیں۔ میرپور۔ راجوری۔ کوٹلی میں ہنگامی قوانین علاوہ ازیں انڈسٹریل سکول کی خستہ حالت"۔ ان سب امور کو معرضِ التوا میں ڈال دیا گیا ہے۔ اس لئے شیر کشمیر نے ارکانِ ورکنگ کمیٹی کے ممبران کو لکھا کہ وہ ۵ رمارچ ۱۹۳۳ء کے روز اِس سوال پر غور و خوض کرنے کے لئے جمع ہو جائیں۔ کہ

"گلینسی کمیشن کی سفارشات پر کہاں تک اور کس قدر عمل ہوا ہے اگر عمل نہ ہوا۔ تو کیوں نہیں ہوا۔ اور حصولِ مطالبات کے لئے کون سے ذرائع اختیار کیے جاویں۔"

یہ گشتی مراسلہ جاری کرنے کے ساتھ ہی شیخ محمد عبداللہ نے سرینگر کے اندر تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور شہر میں لوگوں کو بتا دیا۔ کہ اگر حکومت

اُن کے جائز مطالبات کو .... جو گلینسی کمیشن نے منظور کرتے ہیں منظور نہیں کرتی۔ تو وہ ورکنگ کمیٹی کے پروگرام پر چلنے کے لئے تیار ہو جاویں آپ نے ہندوؤں کے نام ایک اپیل بھی شایع کر دی۔ کہ وہ اس تحریک میں شامل ہو جاویں۔ کیونکہ جن مطالبات کے لئے وہ جدوجہد کی سعی کرنے لگے تھے۔ وہ قومی تھے۔ اور ہر ایک فرقہ پر یکساں اثر انداز ہوتے تھے۔ مسٹر عبداللہ نے ہندوؤں سے کہا۔ کہ اگر وہ شامل بھی نہ ہو جائیں۔ مخالفت بھی نہ کریں۔ ؎
نیز کشمیر کی اِن سرگرمیوں سے حکومت متحرک ہو گئی۔ اور
وزیر اعظم کرنل کالون بمعہ وجاہت حسین وزیر داخلہ کو ساتھ لیکر جموں سے سرینگر کی طرف شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ گفت و شنید کے لئے چل پڑے۔ سرینگر پہنچ کر اُنہوں نے مسلم نمائندگان سے تبادلۂ خیالات کیا جس کے بعد آپس میں چٹھیاں بھی بھیج دی گئیں جس میں اہم مطالبات کے متعلق فیصلہ کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے ورکنگ کمیٹی کے ۱۱۔۱۰ مارچ کو مفصلہ ذیل بیان پڑھا:۔

"گورنر کشمیر کی درخواست پر میں۔ وزیر اعظم سے فوراً ہی ملا۔ اور اُن سے کل شام کو ایک چٹھی بھی میری چٹھیات کے جواب میں موصول ہوئی۔ جس میں اُنہوں نے مجھ سے مسلم مطالبات کے متعلق تبادلۂ خیال کرنے کا اظہار کیا تھا۔ انٹرویو جو اُن کے ساتھ ہوا۔ دو گھنٹہ تک جاری رہا۔ وزیر اعظم نے تسلیم کر لیا۔ کہ گلینسی کمیشن کی چند سفارشات کو عمل میں لائے جانے میں بہت درنگی ہوئی ہے۔ لیکن یہ ایسی وجوہات سے ہوا۔ جو اُن کے اختیار میں نہ تھا۔ وزیر اعظم خاص شکایات کو سننے کا

؎ ہٹ مار بیون مورخہ ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء

خواہشمند تھا"۔ ؎۱

اس کے بعد مسلمانوں نے ایک میموریل بھیجدیا۔ جس پر فوراً عمل ہوا اور اہم سفارشات و مطالبات کو منظور کر کے حکومت نے عمل میں لایا۔ ان میں انجمن بنانے کی آزادی اور تقریر کی آزادی بھی تھی۔

؎۱ ڈیلی ہیرلڈ لاہور ۹ مارچ ۱۹۳۳ء

چوتھی گرفتاری رہائی اور اسکے بعد

ہم پیچھے دیکھ آئے ہیں۔ کہ شیخ محمد عبداللہ اور میر واعظ یوسف شاہ کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور یہ اختلافات روز بروز کسی طرح دور ہونے کی بجائے بڑھتے گئے۔ شیر کشمیر کی دوسری گرفتاری سے رہائی کے بعد ہی جاننے والوں کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہ اب ان کے درمیان خلیج پیدا ہو گئی ہے۔ جس کو پر کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن جہاں غرضمند اس خلیج کو وسعت دینے میں روز و شب کام کرتے رہتے تھے۔ وہاں دریا دل رکھنے والے جانتے تھے۔ کہ اس سے ملک تباہ ہو جائیگا۔ اور مسلمانوں کا بنا بنایا کام بگڑ جائیگا۔ اس لئے وہ اسی فکر میں غلطان تھے۔ کہ جس طرح سے ہو سکے۔ ان دونوں رہنماؤں کو اکٹھا رکھا جائے۔ ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ شیر کشمیر کو میر واعظ ہمدانی کا طرفدار بتایا جاتا تھا۔ اس لئے جب میر واعظ یوسف شاہ نے شیر کشمیر کی مخالفت شروع کر دی۔ تو میر واعظ ہمدانی اس کا بطور سابقہ حریف بن گیا۔

شیر کشمیر کی ہر دلعزیزی بد قسمتی سے میر واعظ اور اس کے ماننے والوں کو شاق گذرتی تھی۔ لیکن یہ ہر دلعزیزی اس کی مزید گرفتاریوں سے زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ اس لئے جب وہ تیسری بار گرفتار

ہوئے تو میر واعظ نے صریح طور کھلم کھلا اُن کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا
اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وُہ تو خود انتہائی طور پر غیر ہر دلعزیز بن گئے۔ اور مسلمانوں
کے اندر سنسنی پھیل گئی۔ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی پر اُنہیں معلوم ہوا۔ کہ اُن
کی ہر دلعزیزی اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اس لئے اُنہوں نے پھر کچھ عرصہ بات
پر ٹالا لگایا۔ لیکن اب تیر ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ وُہ جہاں وعظ کرنے کو جاتے
دنگہ فساد ہو ہی جاتا تھا۔ کیونکہ شیر کشمیر کے بے شمار شیدائی اُس کے
وعظ کو سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب ۱۱ر اگست ۱۹۳۲ء کی
شام کو میر واعظ یوسف شاہ امیرا کدل مسجد میں وعظ پڑھنے کو چلے گئے
تو ایک بھاری فساد ہوا۔ ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگار نے لکھا ہے۔ کہ

"یوں تو کئی دنوں سے میر واعظ اور مسٹر عبداللہ کی پارٹی کے درمیان
فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن کل بہت بھاری فساد ہوا۔ انسپکٹر جنرل
پولیس موقعہ پر آیا۔ ملٹری اور پولیس کے دستے بھی بُلائے گئے۔ ہری سنگھ
ہائی سٹریٹ کو ٹریفک کے لئے بند کرنا پڑا۔" [۱]

اس موقعہ پر حکام نے میر واعظ کو بڑی مشکل سے ہجوم کے
دستِ شر سے بچایا۔ میر واعظ یوسف شاہ کا طریقہ کار دیکھکر میر واعظ ہمدانی
نے بھی مسجدوں میں وعظ شروع کر دیا۔ اس سے شہر کی فضا بگڑ گئی۔ اور
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ایک حکم دیا۔ کہ میر واعظ یوسف شاہ سوائے جامع مسجد
کے۔ میر واعظ ہمدانی سوائے خانقاہِ معلّےٰ کے اور شیخ محمد عبداللہ سوائے
پتھر مسجد کے اور کسی مسجد میں وعظ نہ کیا کریں۔" [۲]

یہ آرڈر دو مہینے تک نافذ رہا۔ لیکن ستمبر کے آخری ہفتہ میں

[۱] اخبار ٹائمز آف انڈیا ... اگست ۱۹۳۲ء

[۲] اخبار ... مورخہ یکم فروری ۱۹۳۳ء

فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ جن کا ذکر پچھلے باب میں آ چکا ہے۔ ان فسادات کے بعد آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ شاید میر واعظ یوسف شاہ نے دیکھ لیا تھا۔ کہ شیر کشمیر کی مخالفت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے وہ بھی اس میں شریک ہوئے۔ لیکن اجلاس میں شیر کشمیر کا بول بالا تھا۔ اور وہاں اسی کی طوطی بول رہی تھی۔ اس لئے حسد کی آگ پھر بھڑک اٹھی۔ اور جب شیخ محمد عبداللہ اس اجلاس کے بعد بیرون ریاست چلے گئے۔ تو میر واعظ نے اُن کے خلاف زبردست پروپیگنڈا شروع کر دیا۔

ہم آگے چلکر دیکھ لیں گے۔ کہ شیخ محمد عبداللہ کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔ کیونکہ میر واعظ یوسف شاہ نے اُن کے خلاف جو حربہ استعمال کیا وہ یہ تھا۔ کہ شیخ محمد عبداللہ مرزائی ہے۔ جن کے ساتھ عام مسلمانوں کو چند شدید مذہبی اختلافات ہیں۔ اس پروپیگنڈا کی غرض و غایت یہ تھی۔ کہ کشمیری مسلمان جو مرزائیوں کے سخت دشمن ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ سے بدظن ہو جائیں۔ لیکن ہم دیکھیں گے۔ کہ اس کا اُلٹا اثر پڑا۔

۱۰ جنوری ۱۹۳۳ء کے روز مسجد نقشبند شاہ صاحب میں میر واعظ اور شیخ محمد عبداللہ کی پارٹیوں کے درمیان زبردست فساد ہوا۔ جس میں طرفین نے ایک دوسرے پر کانگڑیاں پھینکیں۔ دو آدمیوں کو زیر حراست لیا گیا۔[۱]

اس فساد کے بعد ہر دو فریقین کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ سردار وزیر محمد خان سنیئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے

[۱] اخبار وقت سامورخہ یکم فروری ۱۹۳۳ء

روبرو ایک معاہدہ پر دونوں رہنماؤں نے دستخط بھی کر لئے[۲]۔ لیکن جب دل صاف نہ ہوں۔ تو معاہدے کس کام آتے ہیں۔

جب بیرونِ ریاست سے واپس آنے پر شیر کشمیر حسب ہدایات مسلم کانفرنس اہم مطالبات منظور نہ کئے جانے کے خلاف حکومت سے بائیکاٹ ہے۔ تو میر واعظ یوسف شاہ کا پروپیگنڈا بھی دب گیا۔ شیخ محمد عبداللہ پھر بطرف لاہور روانہ ہوا۔

۶ اپریل کو عید تھی۔ حکومت نے فیصلہ کر دیا تھا۔ کہ اس روز میر واعظ یوسف شاہ جامع مسجد میں وعظ کریں۔ اور میر واعظ ہمدانی عیدگاہ میں۔ لیکن میر واعظ یوسف شاہ عیدگاہ کو چلا گیا۔ اور میر واعظ ہمدانی جامع مسجد کے اندر گھس پڑا۔ اس سے زبردست فسادات رونما ہوئے اور سینکڑوں آدمی زخمی ہوگئے۔ کیونکہ دونوں پارٹیوں کے افراد بہت مشتعل ہوگئے تھے[۲]۔

"بقر عید کے فساد کے سلسلہ میں حکومت کشمیر نے دونوں میر واعظوں پر زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ اڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے میر واعظوں سے ایک ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی میر واعظ ہمدانی نے ضمانت دے دی۔ لیکن میر واعظ یوسف شاہ نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہیں ۲۷ اپریل کو گرفتار کر کے اودھم پور بھیجدیا گیا۔ میر واعظ کے مریدوں نے زینہ کدل اور گرد و نواح میں مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ اور ایک جلوس شہر کے درمیان سے بھی نکالا"[۳]۔

جس دن میر واعظ یوسف شاہ کو پولیس اودھم پور لیجا رہی تھی

۱؎ اخبار دلستا مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۳۳ء ۲؎ اخبار صداقت ۹ اپریل ۱۹۳۳ء
۳؎ اخبار دلستا مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۳۳ء

اُس دِن شیخ محمد عبداللہ جموں سے واپس آرہے تھے۔ آپ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقی ہوئے۔ شیر کشمیر کا استقبال کرنے کے لئے ہزاروں لوگ سونہ وار باغ میں جمع ہو گئے تھے۔ جہاں آپ نے تقریر کی۔

میرواعظ یوسف شاہ کو ۳۱ مئی کے روز ضمانت داخل کرنے پر سرینگر واپس لاکر رہا کر دیا گیا۔ یہ ابھی تک معلوم نہ ہو سکا۔ کہ ضمانت اُس کی رضامندی سے داخل کر دی گئی تھی یا نہ۔ لیکن بتلایا جاتا ہے۔ کہ سید عطاء اللہ شاہ کرمی نے ابد حمپور جاکر میرواعظ سے ضمانت داخل کرنے کی رضامندی حاصل کی تھی۔

میرواعظ یوسف شاہ کی رہائی کے بعد پارٹی بازی کی سپرٹ زوروں پر آگئی۔ شیخ محمد عبداللہ کے پیروؤں کو "شیر" اور میرواعظ یوسف شاہ کے معتقدوں کو "بکرا" کہتے تھے۔ دیہات میں تو سب لوگ شیخ محمد عبداللہ کے ہی پیرو ہیں۔ اِس لئے وہاں فساد نہ ہوتا تھا لیکن سرینگر میں اِس پارٹی بازی کی وجہ سے فسادات ہوتے رہتے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ اور میرواعظ یوسف شاہ نے اب ایک دوسرے کو سیاسی شکست دینے کے لئے تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن اِس کا نتیجہ بجز اِس کے اور کچھ نہ نکلا۔ کہ شہر کی فضا بہت بگڑ گئی۔ کشمیری ہندوؤں کا ایک بڑا حصہ تو مسلمانوں کی اِس پارٹی بازی کو دُور سے ہی دیکھتا تھا۔ لیکن چند عاقبت نااندیش میرواعظ یوسف شاہ اور اُس کے تار ہلانے والوں کے ساتھ سازباز کرتے

رہتے تھے۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ وُہ ایسا کرنے سے شیخ محمد عبداللہ کو نیچا دکھا سکیں گے۔ اِن آدمیوں کو تنبیہہ کرنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ نے ایک جوش بھری تقریر کی۔

حکومتِ کشمیر نے اپنے یکم جون کے کمیونک میں اُن تمام تقریروں کا خلاصہ دیا ہے۔ جو آخیر مئی تک ہر دو طرفین کے مقرروں سے ہوتی رہیں۔ ۱۷ مئی کو شیخ محمد عبداللہ کی پارٹی کا ایک زخم خوردہ آدمی فوت ہؤا۔ اِس کو قبرستان تک لیجانے کے لئے ایک جلوس نکالا گیا جس میں پچاس ہزار سے زیادہ آدمی شامل ہوئے۔ قبرستان پر تقریریں ہوئیں۔

حکومتِ کشمیر نے ۳۱ مئی ۱۹۳۳ء کو شیخ محمد عبداللہ۔ مفتی ضیاءالدین۔ غلام نبی گلکار۔ اور بخشی غلام محمد کو شیر پارٹی سے اور تین آدمیوں کو میرواعظ کی پارٹی سے گرفتار کر لیا۔

حکومت جانتی تھی۔ کہ شیرِ کشمیر کو گرفتار کیا جانا آسان کام نہیں۔ اِس کے نتائج سخت خطرناک ہوں گے۔ اِس لئے انہوں نے ۱۴۔ ایل کو بھی ساتھ ہی جاری کر دیا۔ اور شہر میں فوج تعینات کر دی۔ اخبارات کی اشاعت کو حکماً بند کر دیا گیا۔ لیکن اِس آخیری حکم کے خلاف مدیرانِ اخبارات نے زبردست پروٹسٹ کیا۔ اور حکومت کو یہ بندش ہٹانی پڑی۔

شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کی خبر شہر میں پھیل گئی۔ تو ہر طرف سے جلوس نکلنے شروع ہو گئے۔ اِن کو روکا جاتا تھا۔ لیکن وُہ آگے بڑھتے تھے۔ جس وجہ سے کئی لاٹھی چارج کئے گئے۔ امیرا کدل اور مائسمہ بازاروں

گولی چلائی گئی۔ جس سے کئی آدمی زخمی ہوئے۔ اور ایک مر گیا۔ نوجوانوں نے
وار کونسل بنا کر خانقاہ معلیٰ میں تقریروں کا سلسلہ جاری کیا۔ اور ہر روز کئی آدمی
گرفتاری کے لئے آگے آجاتے تھے۔ حکومت ان میں سے چند رضاکاروں کو تو
جیل بھیجتی تھی۔ لیکن کئی سزا تازیانہ کا شکار ہوتے تھے۔ چہ جائیکہ وہ تعلیم یافتہ
بھی ہوتے تھے۔ کئی عورتیں بھی گرفتار کی گئیں۔ ایک کشمیری پنڈت نے بھی گرفتاری
کے لئے خانقاہ معلیٰ میں اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ ایک سربرآوردہ یورپین لیڈی
مسز بذرسول کو بھی حکومت کشمیر نے ریاست بدر کر دیا۔ کیونکہ اس نے نیڈو ہوٹل کے
باہر شالے ہجوم کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں مالی امداد دی تھی۔

مسلمانوں کا ایک جلوس ریذیڈنسی روڈ کی طرف چل پڑا۔ اور نیڈو
ہوٹل کے باہر دھرنا مار کر دو دن تک بیٹھا رہا۔ حالانکہ زبردست بارش ہو رہی تھی
رات کو لوگ مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر نعرے لگاتے تھے۔ یہ بھی خلاف قانون
قرار دیئے گئے۔ ایک ہجوم رات کے بارہ بجے وزیر اعظم کی کوٹھی پر نعرے
لگانے لگا۔ یہی حال مفصلات میں بھی تھا۔ اکھنور۔ کوٹلی۔ کولگام۔ بارہمولہ۔
بیجبہاڑہ۔ سوپور۔ ڈوڈہ۔ جمل۔ منڈواڑہ۔ بانڈی پورہ۔ اننت ناگ۔ ہر جگہ جلوس
اور جلسے شروع ہو گئے۔ اور لوگ گرفتار ہونے لگے۔ موضع وانپوہ تحصیل بڈگام
میں جلوس پر شدید لاٹھی چارج کیا گیا۔ جس سے کئی آدمی زخمی ہوئے۔ اور
ایک ہلاک ہوا۔ ریاست کے کئی قصبہ جات میں ہڑتال کر دی گئی تھی۔ اور
سب مظاہروں کا مدعا یہ تھا۔ کہ شیر کشمیر کو رہا کر دیا جائے۔

شیخ محمد عبداللہ کو حکومت گرفتار کر کے ریاسی لے
گئی تھی۔ آپ کی گرفتاری کے بعد حکومت نے بیان پر بیان شائع کر دیئے

جس میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ اس گرفتاری سے پیدا شدہ حالات ایسے خطرناک ہوگئے تھے۔ کہ غیر مسلم اخبارات کو بھی شیر کشمیر کی ہر دلعزیزی کا لوہا ماننا پڑا۔ چنانچہ مہاشہ کرشن والے اخبار روزانہ پرتاپ نے لکھا۔ کہ

"میں شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کی رہائی کے فیصلہ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ بات نظر انداز نہ کرنی چاہیے۔ کہ کشمیر میں ۹۰ فیصدی کے قریب مسلمان ہیں۔ ان کو برسرِ پیکار رکھ کر ریاست کا انتظام خوش اسلوبی سے نہیں چل سکتا۔"

۹ جولائی کو شیخ محمد عبداللہ اور اس کے رفقاء کی گرفتاری کا ذکر برطانوی پارلیمنٹ میں بھی ہوا۔ جہاں سر سیموئل ہور وزیر ہند سے اس معاملہ کے متعلق چند سوالات پوچھے گئے۔ [۱]

مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے ایک خاص اجلاس میں اس بات پر غور و خوض کیا۔ چند مسلم رہنما حکومت کے ذمہ دار آفیسران سے ملاقی ہوئے اور بیان شائع کیا۔ جس میں مسلمانوں کو بتایا گیا۔ کہ اگر وہ ایجی ٹیشن کو خیرباد کہدیں گے۔ اور ملک میں امن قائم کریں گے۔ تو حکومت گرفتار شدگان کو رہا کر دے گی۔ معطل شدہ ملازمان سرکار کو بحال کر دیگی۔ اور شیخ محمد عبداللہ کی رہائی پر بھی غور و خوض کرے گی۔ [۲]

اس اعلان کے چھپنے پر شہر میں امن ہو گیا۔ اور حکومت نے حسب وعدہ عمل کیا۔ شیخ محمد عبداللہ کو ریاسی جیل سے چھوٹ لایا گیا اس کے بعد مسلم رہنماؤں نے حکومت کے پاس ایک میموریل بھیجدیا۔ جس کے جواب میں ۱۲ جولائی کو وزیر اعظم نے لکھا۔ کہ شیخ

[۱] اخبار ولستا مورخہ ۶ رجولائی ۱۹۳۲ء [۲] صداقت ۱۶ رجون ۱۹۳۲ء

محمد عبداللہ اور اس کے رفقار کو چھ ہفتے کے بعد رہا کر دیا جائیگا بشرطیکہ۔

(الف) آج کی تاریخ اور چھ ہفتے کی تاریخ کے درمیان نہ امن میں خلل آوے۔ اور نہ خلل امن کی دھمکی دیجائے۔

(ب) صلح کمیٹی جو پہلے ہی مقرر کر دی گئی ہے۔ فریقین کے تفرقات باہمی کا فیصلہ کرے۔ جس سے فریقین مطمئن ہو جائیں۔ اور جو اس قسم کا ہو۔ کہ ہمیشہ کے لئے امن کی بنیاد قائم ہو سکے۔

اس سے چند روز قبل مولوی عبداللہ اور مسٹر عثمانی اودھمپور میں شیخ محمد عبداللہ سے ملاقی ہوئے۔ جہاں ان کو گرفتاری کی وجہ سنائی گئی۔ شیر کشمیر نے بتایا۔ کہ

"جس قدر الزامات ہیں۔ تمام غلط ہیں۔ ہاں اگر میرا جیل میں رہنا قوم کے لئے مفید ہے۔ تو میں بخوشی تمام مصیبتوں کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ لیکن نوجوانوں یا قوم کو کوئی پیغام نہیں بھیجتا۔ کیونکہ میں قید و بند میں ہوں۔ پیغام بھیجنا اپنی پوزیشن کے خلاف سمجھتا ہوں۔ میں ہمیشہ امن کی تعلیم دے رہا ہوں۔ جیل سے پیغام بھیجنے کا کیا مطلب" ؎۱

شیخ محمد عبداللہ کے نام مسٹر نیل انسپکٹر جنرل پولیس نے ایک چٹھی بھی بھیجدی تھی۔ جس کا جواب اس نے جیل سے روانہ کیا تھا۔ اس میں اس نے لکھا تھا۔ کہ میری اور میرے رفقار کی گرفتاری کو ایک غیر جانبدارانہ اور آزاد کمیشن ہی حق بجانب یا غیر حق بجانب قرار دے سکتا ہے۔ معاملہ قومی کے لئے میں تمام مصائب و مشکلات برداشت کرنے کو تیار ہوں میر واعظ یوسف شاہ اب "شیر" پارٹی کو دبانے کے لئے

(۱) صداقت مورخہ یکم جولائی ۱۹۳۳ء

حکومت کے ساتھ بالکل مل چکا تھا۔ اگرچہ ابھی بھی وہ اس بات سے قطعی منکر تھا لیکن حکومت کی طرف سے انہی دنوں ایک حکم نافذ ہوا۔ جس نے رہے سہے شبہات کو اس معاملہ کے متعلق رفع کر دیا۔ ۱۱ر جولائی کے روز کشمیر گورنمنٹ کے پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے یہ آرڈر نکالا۔

"حضور مہاراجہ بہادر نے منظور فرمایا۔ کہ ایک تعزیری چوکی چھ ماہ کے لئے ۱۰ر ساون سے مائیسمہ میں مقرر کی جائے۔ جس کے اخراجات ایک ہزار آٹھ سو اٹھائیس روپیہ ہوں گے۔ جو اُن اشخاص سے وصول ہوں گے۔ جو نہ ہندو۔ نہ سکھ نہ یوسف شاہی مسلمان ہوں۔ اس حکم سے میر واعظ مسلمانوں میں اور بھی غیر ہر دلعزیز بن گئے"۔

حکومت کے ساتھ مسلم کانفرنس کے ارکان کے سمجھوتہ کے مطابق شیخ محمد عبداللہ کی رہائی اگست کے دوسرے ہفتہ میں متوقع تھی۔ لیکن حکومت نے یہ سمجھکر کہ اُن کی رہائی کی خبر سے پھر جوش نہ پھیل جائے اُن کو ۶ر اگست کی رات کو بٹوٹ سے واپس لاکر ۷ر اگست کی صبح کے وقت بھپوارہ میں رہا کر دیا۔ اس خبر سے تمام شہر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اور بارش کے ہوتے ہوئے بھی ایک بھاری جلوس شہر کے درمیان سے نکالا گیا۔ ریاست کے قصبہ جات میں چراغاں کیا گیا۔ اور جلوس میں حکومت کی اس کارروائی پر شکریہ کی قرار دادیں پاس کی گئیں۔

اب شیر کشمیر اور بھی زیادہ ہر دلعزیز بن گئے۔ اور مسلم و غیر مسلم اُس کی ثنا خوانی کرنے لگے۔ چنانچہ ۱۵ر اگست کی شام کو حضوری باغ میں۔ ہندو۔ مسلمانوں۔ سکھوں۔ اور عیسائیوں کا ایک

انشاء صداقت مورخہ یکم اگست ۱۹۳۲ء

عام جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں آپ کو ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ اس جلسہ میں "حاضرین کی تعداد ۲۰ ہزار کے قریب تھی۔ اہالیانِ سرینگر کے علاوہ جلسہ گاہ میں چند یوروپین لیڈیاں بھی تشریف فرما تھیں۔ اگرچہ جلسہ گاہ میں داخل ہونے کے لئے ٹکٹ خریدنا پڑتا تھا۔ لیکن پھر بھی لوگوں کا اتنا اژدہام تھا۔ کہ پنڈال میں تِل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی"۔[۱]

اس سپاسنامہ کے بعد شیرِ کشمیر کو جابجا سپاسنامے پیش کئے گئے گلمرگ۔ گاندربل۔ سوپور۔ اننت ناگ بارہمولہ وغیرہ علاقہ کا دورہ کرنے پر آپ کو مجبور کیا گیا۔ اور جہاں آپ جاتے تھے۔ آپ کا پُرجوش استقبال کیا جاتا تھا

انہی دنوں آپ نے ایک معزز مسلم خاتون کو رفیقِ زندگی بنا دیا بیگم عبد اللہ ایک انگریز عیسائی خاندان سے پیدا ہوئی ہے۔ آپ کے والد ماجد مسٹر ہری نیڈو نے ابتدائی عمر میں ہی اسلام قبول کر کے ایک کشمیرن سے شادی کر لی تھی۔ جس سے بیگم عبد اللہ پیدا ہوگئی ہے بیگم عبد اللہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نیک باطن اور نیک سیرت خاتون ہیں۔ اس شادی سے مخالفین شیرِ کشمیر کے لئے پھر پروپگنڈا کا موقعہ ملا۔ اور عوام میں یہ خبر پھیلا دی گئی۔ کہ اب شیخ محمد عبد اللہ پالٹیکس سے علیحدہ ہو گئے۔ اُنہوں نے ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر لی"۔ لیکن جیسا کہ اخبار وقت نامہ نگار خصوصی کا بیان ہے۔ کہ شیرِ کشمیر کا خیال اس شادی سے یہ تھا۔ کہ وہ "قومی کام میں زیادہ سرگرم حصہ لیں۔ کیونکہ جس کے ساتھ

[۱] اخبار وقت مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۳۳ء

اُس نے زندگی کے باقی ایام گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ خاتون اور قومی سپرٹ رکھنے والی ایک دلیوی ہے۔ اِس کے ساتھ کام کرنے سے وہ کشمیر میں کشمیری بہنوں کا سوشل سدھار کا کام بہت جلدی پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں گے"۔

شادی خانہ آبادی کے بعد شیخ محمد عبداللہ لاہور چلے گئے جہاں آپ نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ایک خاص اجلاس میں شرکت کی۔ اب کشمیر کمیٹی سے تمام قادیانیوں کو نکالا گیا تھا۔ اور اِس کے صدر سر محمد اقبال بن چکے تھے۔ چونکہ شیخ محمد عبداللہ کی یہ چوتھی گرفتاری صرف میرواعظ کے ساتھ اختلافات ہونیکی وجہ سے عمل میں لائی گئی تھی۔ اور چونکہ میرواعظ نے عالم میں بات مشتہر کردی تھی۔ کہ شیخ محمد عبداللہ قادیانی ہے۔ اس لئے کشمیر کمیٹی کے جملہ ممبران نے آپ سے پہلے ہی سوال کیا۔ کہ آپ کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔ جب آپ نے مرزائیت سے قطعی انکار کر دیا۔ تو ارکانِ کشمیر کمیٹی مطمئن ہوئے۔

پنجاب سے واپسی پر مسلم کانفرنس کے دوسرے اجلاس کی تیاریاں ہوگئیں۔ شیخ محمد عبداللہ چاہتا تھا۔ کہ اِس سال کسی دوسرے قومی کارکن کو اِس کا صدر منتخب کیا جائے۔ لیکن تمام کارکنوں کی متفقہ رائے تھی۔ کہ دوسرے اجلاس کی صدارت کے فرائض بھی وُہی انجام دیں۔ تاکہ حکومت اور مخالفین کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانانِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے لئے اپنے دِل میں کونسی جگہ رکھتے ہیں۔

مسلم کانفرنس کا یہ دوسرا اجلاس ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ دسمبر ۱۹۳۲ء
کو میر پور میں منعقد ہوا۔ خطبۂ صدارت میں شیخ محمد عبداللہ نے حکومت سے
شکایات کیں۔ جس میں آزادی پریس پر پابندیاں ضابطہ فوجداری میں دفعہ
۱۰۰ الف - تبدیلئے مذہب پر حق وراثت کا نہ ملنا۔ پچھلو ۱ اسمبلی کا عالم وجود
میں نہ آنا۔ میونسپلٹیوں کا موجودہ آئین۔ مسلمانوں کا ملازمتِ سرکار میں حصّہ
زراعت پیشہ طبقہ اور مزدوروں کی طرف لاپرواہی۔ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے
مسلمانوں سے اپیل کی۔ کہ وہ ذاتی تنازعات کو چھوڑ کر شیر و شکر ہو جائیں
اس اجلاس میں کئی قراردادیں پاس کی گئیں۔ جس میں سے ایک - منسٹر
مال - مسٹر وی۔ این۔ جتشی کے خلاف عدم اعتماد کی تھی۔

اس اجلاس کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ نے پنجاب
چلے گئے۔ سرینگر میں چند دنوں کے گذرنے پر حالات بگڑ گئے پولیس
کے ایک مسلم اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ حکیم حبیب اللہ کو انسپکٹری کے
عہدے پر واپس آنا پڑا۔ بظاہر یہ ایک ایسی معمولی بات تھی۔ جس پر
کسی ایجی ٹیشن کا اٹھایا جانا۔ نہایت ہی غیر دانشمندانہ تھا۔ لیکن مسلم
ینگ مینز ایسوسی ایشن نے اس شکایت کو وزنی بنا کر حکومت کے
پاس ایک الٹی میٹم بھیجدیا جس میں کئی جائز اور ناجائز مطالبات پیش
کئے گئے۔ اس الٹی میٹم کے جواب کے لئے حکومتِ کشمیر کو سات دن کی
مہلت دی گئی۔ اور ساتھ ہی وار کونسل کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ اور
جلسے بھی خانقاہ معلےٰ میں ہونے شروع ہوگئے۔ حکومت نے اس الٹی میٹم
کا جواب دیا۔ اور بتایا۔ کہ اس پر غور و خوض کرنے کے لئے وقت

دیا جائے۔

۱۴ جنوری ۱۹۳ء کو عید تھی۔ گورنر کشمیر نے یہ حکم دیا کہ پچھلے سال کی طرح میر واعظوں کے درمیان فساد نہ ہو جائے۔ عید گاہ میں ڈنڈا پولیس تعینات کر دی۔ اور عالی مسجد کے اندر ہمدانی پارٹی کو نماز ادا کرنے کی ممانعت کر دی۔ اس سے نوجوان سخت ناراض ہو گئے۔

ٹُن میں ایک قطعہ زمین کے متعلق ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کچھ مدت سے تنازعہ چل رہا تھا۔ ہندو کہتے تھے کہ یہ اُن کے مندر کی جائداد ہے اور مسلمان کہتے تھے کہ یہ اُن کے خانقاہ کی زمین ہے۔ معاملہ ایک کمیٹی کے سپرد کیا گیا۔ جس کے ممبر خواجہ سعید الدین شال۔ اور پنڈت شونرائن فوطہ دار ایم۔ اے تھے۔ ابھی کمیٹی کی رپورٹ حکومت کے زیر غور ہی تھی۔ کہ ٹُن کے مسلمانوں نے متنازعہ زمین پر مسجد بنانے کی دھمکی دی۔ اس سے وہاں فضا خراب ہو گئی ہے۔

ان تمام باتوں کو شکایات بنا کر مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن نے سرینگر کے اندر ایجی ٹیشن شروع کر دی۔ اور خانقاہ معلیٰ میں جلسے ہونے شروع ہوئے۔ مسلم نوجوانوں نے شیخ محمد عبد اللہ اور دیگر ارکان مسلم کانفرنس سے کوئی مشورہ نہ لیا۔

حکومت نے ۲۰ جنوری کے روز شہر میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا۔ اور سات آدمیوں کو جلاوطن کر دیا۔ اس کے بعد خانقاہ معلیٰ میں یکے بعد دیگرے نوجوان ڈکٹیٹر بنتے جاتے اور گرفتار ہوتے جاتے تھے۔ پیر غلام حسین۔ بخشی غلام محمد گاندھی۔ کے علاوہ میر واعظ ہمدانی کی میدان

عمل میں آئے۔ اور گرفتار کر لئے گئے۔ میر واعظ کو جلا وطن کیا گیا اُس دن معاملہ بہت بگڑ چکا تھا۔ لوگ سخت مشتعل ہو چکے تھے۔ اور اگر سردیوں کے دن نہ ہوتے۔ حکومت کے لئے معاملہ کا سنبھالنا مشکل تر ہو جاتا۔

شہر اور مضافات میں بھی ہڑتال ہو گئی۔ جلسے ہونے لگے۔ جلوس نکالے گئے۔ حکومت نے تازیانہ کی سزا کے ساتھ ساتھ اب بھاری جرمانہ کی سزائیں بھی دینی شروع کر دیں۔ لوگ غریب ہونے کی وجہ سے جرمانہ ادا نہ کر سکتے تھے۔ تو اُن کے اثاثہ۔ منقولہ۔ اور غیر منقولہ جائیداد کو نیلام کیا جاتا تھا۔ کشمیر کی یہ ایجی ٹیشن مقامی تھی۔ اِس سے جموں کے مسلمانوں پر کچھ اثر نہ پڑا تھا۔ لیکن اِنہی دنوں حکومت نے فرنچائز کمیٹی کی رپورٹ شائع کر دی۔ اگر یہ رپورٹ پُرامن حالات میں شائع کر دی جاتی۔ تو شاید اِس سے اکثریت مطمئن ہو جاتی۔ لیکن چونکہ فضاء میں ایجی ٹیشن کی آواز گونج رہی تھی اِس لئے اِس پر سخت نکتہ چینی شروع ہو گئی۔ شیخ محمد عبداللہ نے ۲۱ جنوری کے روز ایک لمبا بیان شائع کر دیا جس میں رپورٹ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے بتایا گیا۔ کہ یہ نہایت مایوس کن دستاویز ہے۔ اور اِس سے کسی فرقہ کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ؎

۲ فروری کے روز بلوانہ میں گولی چلائی گئی۔ جس سے ۱۰ آدمی مارے گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ وجہ یہ تھی۔ کہ وہاں مسلمانوں نے عیدگاہ کے اندر سٹیج کھڑا کر دیا۔ جس پر اُن کے مقامی رہنما تقریر کرتے تھے۔ تحصیلدار نے اُنہیں حکم دیا۔ کہ اِس پنڈال کو ہٹا دیں۔ لیکن اُنہوں نے نہ مانا۔

؎ بحوالہ انصاف ... ۱۰ فروری ۱۹۳۲ء

اور جمعہ کی نماز کے بعد تقریریں کرنے لگے۔ جب افسران حکومت نے اُن کو مجبور کر دیا۔ کہ وہ منڈال کو شائیں۔ تو مجمع بے قابو ہو گیا۔ اور اُن پر گولی چلائی گئی اس سے تمام ریاست میں ہلچل مچ گئی۔

دفعہ ۱۹۔ ایل کے تحت ہر جگہ حکومت کے خلاف مظاہرہ کرنیوالوں کو سزائے تازیانہ دی جاتی تھی۔ جس سے لوگ بہت مشتعل ہوتے تھے۔ بھیبارہ میں جب چند آدمیوں کو یہ سزا ملی۔ تو ۶ رفروری لوگوں نے اس وحشیانہ سزا کیخلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے جلوس نکالا۔ مقامی افسران موقعہ پر آئے۔ لاٹھی چارج کیا گیا۔ لیکن پھر بھی جلوس نکلتا رہا۔ جلوس پُر امن تھا۔ لیکن منتشر نہ ہوتا تھا۔ جب اس کو منتشر کرنے کے لئے ملٹری نے ہوا میں فائر کیا۔ تو لوگ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ فوج کے افسر نے سمجھا۔ کہ حملہ کرنے کے لئے ہجوم آگے آیا۔ تو اُن پر گولی چلائی گئی جس سے تین مارے گئے۔ اور کئی زخمی ہوئے۔ مدیر صداقت جو ۷ رفروری کے حالات کا بچشم خود معائنہ کرنے کے لئے بھیباڑہ گیا تھا۔ لکھتا ہے۔

"بھیباڑہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ کوئی ایک دوسرے کی واقفیت نہ رکھتا تھا۔ میں نے بعد مشکل ایک دس سالہ لڑکے کے ہمراہ واقف کدہ کے پاس جانا چاہا۔ لیکن سب گھر چھوڑ کر کہیں چل بسے تھے۔"

شیخ محمد عبد اللہ ان سب حالات کو دیکھ رہا تھا اس کے پاس بیشمار خطوط آتے رہتے تھے۔ جن میں ان حوادث ناگہانی کی روح فرسا داستان درج ہوتی تھی۔ اِن خونچکاں حالات کے سننے سے اُن کا دل پاش پاش ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ نوجوانوں کی ایجیٹیشن کو بنظر استحسان

صداقت مورخہ ۱۰ – ۱۲ ار فروری ۱۹۳۶ء

نہ دیکھتے تھے۔ لیکن وہ حکومت کے بے رحمانہ طریق کار کو نہایت ہی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے۔ اور متواتر اُن کی پالیسی کے خلاف سخت اظہار ناراضگی کرتے تھے۔ اپنے ایک بیان میں شیر کشمیر نے لکھا۔ اس پالیسی سے حکومت کشمیر

اپنے رہے سہے اعتبار اور اعتماد کے تابوت میں کیلیں ٹھونک رہی ہے..... حکومت امن و اطمینان کی متمنی ہے۔ تو اس کے حصول کا ذریعہ رعایا کُشی نہیں۔ بلکہ اِن کو مطلوبہ اسمبلی دی جائے۔.... بیکاری کا ہر ممکن طریقہ سے انسداد کیا جاوے۔۱؎ علاوہ ازیں آپ کشمیر کے صحیح واقعات دنیا کے سامنے رکھنے کے لئے لیجسلیٹو اسمبلی کے برگزیدہ ممبران۔ سر برآوردہ اخبارات کے مدیران۔ اور حکومت ہند کے اعلیٰ افسران سے بھی ملے۔

اِس کے بعد شیر کشمیر نے ۱۰ فروری کے روز سیالکوٹ میں مُسلم کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس بھی بُلایا۔ تاکہ حالاتِ حاضرہ اور فرینچائز کمیٹی کی رپورٹ پر غور و خوض کیا جائے۔

اِس اہم اجلاس میں مجلس عاملہ کے بیس سے زیادہ رکن شامل ہوئے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے بہتیرا زور لگایا۔ کہ کشمیر کی ایجی ٹیشن کو بند کر دیا جائے۔ حکومت سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ اُن کا نکتہ نگاہ یہ تھا۔ کہ ایجی ٹیشن کی ابتدا چونکہ کافی غور و خوض کے بعد نہیں کی گئی تھی۔ اِس لئے اِس غلطی کو محسوس کرتے ہوئے ایسا قدم اٹھانا چاہیئے جس سے مُلک و مِلت کو کوئی زک نہ پہنچے۔ لیکن ملوانہ اور بیجبہارہ کے

۱؎ روزنامہ زمیندار لاہور مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء

واقعات اور تار بلنے کی سزا۔ لاٹھی چارج۔ جرمانے۔ اور دیگر ظلم و ستم کی پالیسی نے فضا کو قہر آلودہ بنا رکھا تھا۔ اس لئے ممبران مجلس عاملہ نے شیخ محمد عبد اللہ کے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ بلکہ چودہری غلام عباس کو ڈکٹیٹر بنایا جا کر مجلس عاملہ کو توڑ دیا گیا۔ اور مسٹر عباس کو اختیارات دے گئے۔ کہ وہ حکومت سے گفت و شنید کر کے مسلمانوں کے مطالبات کو پندرہ دن کے اندر اندر منظور کراویں۔ بصورت دیگر ایک لائحہ عمل مرتب کر کے اس کو قوم کی رہنمائی کے لئے مشتہر کریں۔ فرنچائز رپورٹ کے متعلق شیخ محمد عبد اللہ کے بیان کو قبول کیا گیا تھا۔

چوہدری غلام عباس نے اس قرارداد کے تحت وزیر اعظم کو ایک چٹھی لکھی جس کے ساتھ دو میموریل بھیجدئے۔ ایک میں گلینسی سفارشات سے انحراف کی طویل داستان درج تھی۔ اور دوسرے میں لیجسلیٹو اسمبلی اور فرنچائز رپورٹ کے متعلق مسلم نکتہ نگاہ پیش کیا تھا اس میں مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہ مسلمان ذمہ دار اسمبلی کے طلبگار ہیں۔

کرنل کالون وزیر اعظم نے گلینسی سفارشات کے متعلق شکایات پر بحث کرنے کے لئے چودہری عباس کو دعوت دی۔ لیکن مسٹر عباس نے واپس لکھا۔ کہ جب تک حکومت آئینی اصلاحات والے معاملہ پر بھی گفت و شنید کے لئے تیار نہ ہوگی۔ وہ انٹرویو کا کوئی فائدہ نہیں دیکھتے:۔

کرنل کالون فرنچائز رپورٹ پر بحث مباحثہ کیلئے تیار نہ تھے۔ اس لئے چودہری عباس نے یہ خط و کتابت

شائع کر کے ایک بیان میں سول نافرمانی کا حکم دیا۔

چوہدری عباس کے اس اعلان سے فضا میں پھر افراتفری پھیل گئی۔ لیکن یہ زیادہ دیر نہ رہ سکی جنرل ڈکٹیٹر کے علاوہ اور بھی بہت سے اشخاص جیل گئے۔ لیکن چند دنوں کے بعد سب معاملہ سرد پڑ گیا اور لوگ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

شیخ محمد عبداللہ چاہتا تھا کہ حکومت کشمیر کے درمیان باعزت سمجھوتہ ہو۔ لیکن چند اعلیٰ افسران ریاست نے اُن کے ساتھ غلط وعدوں سے کام لیا۔ جس سے اُن کا دل برداشتہ ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ نوجوانوں کی تیز طبعی سے اس دفعہ کام خراب ہو گیا ہے۔ ....

اور حکومت جانتی ہے۔ کہ مسلمان چند سال سے متواتر سیاسی .... جنگ کھیلتے کھیلتے تھک سے گئے ہیں۔ اس لئے اُن کو اب شکست فاش دی جا سکتی ہے۔ اس لئے جب اپریل کے تیسرے ہفتہ میں ریگولیشن ۱ آف سمت ۱۹۹۱ شائع ہوا۔ جس میں مجوزہ اسمبلی کے اختیارات درج ہیں۔ تو انہوں نے بحیثیت ایک عملی تجربہ کار اور سیاست دان کے ایک اخباری بیان کے ذریعہ جیل میں چوہدری غلام عباس سے مشورہ لیکر سول نافرمانی کو ملتوی کر دیا۔

اپریل کی آخیر میں آپ کشمیر واپس آئے۔ اور یہاں جیل سے باہر بیٹھے ہوئے رفقاء کے ساتھ تبادلہ خیالات کر کے یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ مسلمانوں کو اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینا چاہیئے۔ چہ جائیکہ وہ مجوزہ اسمبلی کی تشکیل۔ آئین یا اختیارات سے مطمئن ہوں۔

یا نہ۔ کیونکہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ حکومت کو پتہ چلے گا۔ کہ مُسلم کانفرنس کا ملک میں کتنا اقتدار ہے۔ اور اسمبلی میں جا کر اس کے نمائندے کس طرح بتوجہ احسن اپنے فرائض کو نبھا سکتے ہیں۔ حالانکہ ملک کے بہترین کارکن اور سیاست دان جیلوں میں محبوس ہیں۔ اور انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتے۔ شیر کشمیر نے یہ بھی فیصلہ کر دیا۔ کہ وہ خود اسمبلی میں نہ جائیں گے۔

اس فیصلہ کے ہونے پر شیخ محمد عبداللہ نے حکومت کشمیر سے التجا کی۔ کہ وہ سیاسی قیدیوں کو رہا کر دے۔ تاکہ ملک میں فضا صاف ہو جائے۔ اور نیا دور آشتی اور محبت کے ساتھ شروع ہو جائے۔ اگرچہ سیران حکومت نے فرداً فرداً اس درخواست کو منظور کرنا ٹھیک سمجھا۔ لیکن عین وقت پر جب کہ نامزدگی کے کاغذات پیش کرنے کے لئے صرف دو دن باقی رہتے تھے۔ حکومت نے کوئی جواب دیا۔ شیر کشمیر نے ہمت نہ ہاری۔ اور اپنی پارٹی کے کارکنوں کو تار برقی کے ذریعہ اطلاع دی۔ کہ وہ انتخاب کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اس بات کی پرواہ نہ کریں۔ کہ قابل اشخاص دستیاب ہوتے ہیں یا نہ۔

جون۔ جولائی۔ اور اگست کے مہینوں میں شیخ محمد عبداللہ نے وادی کشمیر کے اندر انتخابی مہم سے ہلچل مچا دی۔ سرینگر میں آپ نے ہر ایک محلہ کے اندر تقریریں کیں۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جس کی توقع تھی۔ میرواعظ یوسف شاہ کے تمام دعوے باطل ثابت ہوئے۔ اور سرینگر

سے کی اندر مسلمانوں کی پانچوں نشستیں شیخ محمد عبداللہ کی پارٹی کے اُمیدواروں کے
ہاتھ آگئیں۔ اور ۱۴ ستمبر کے روز پولنگ سٹیشنوں پر "شیر پارٹی" کو
کامیاب بنانے کے لئے اندھے بہرے گونگے۔ بیمار۔ اور سن رسیدہ آدمی
بھی ووٹ دینے کے لئے آئے تھے۔ انتخاب کے نتیجہ سے میر واعظ یوسف
شاہ کا رہا سہا اقتدار بھی خاک میں مل گیا۔ اور حکومت کو معلوم ہوا۔ کہ
شیخ محمد عبداللہ ہی کشمیری مسلمانوں کے دلوں کا واحد مالک ہے۔

اسمبلی کا افتتاحی اجلاس ۱۷ اکتوبر کو [illegible] میں منعقد
ہوا۔ جس میں مہاراجہ صاحب خود بھی تشریف لائے تھے۔ وزیر اعظم
نے افتتاحی اعلان پڑھ کر سنایا۔ اسمبلی کا پہلا اجلاس ۱۷ نومبر تک جاری رہا
مسلم کانفرنس پارٹی نے شیخ محمد عبداللہ کی ہدایت پر چلکر حکومت اور
دنیا پر واضح کر دیا۔ کہ وہ اس آئین سے کسی بہتر آئین کے قابل سمجھے
جاتے ہیں جو اُن کو دیا گیا ہے۔

اسمبلی کے اجلاس کے بعد مسلم کانفرنس کا تیسرا سالانہ جلسہ
سوپور میں ۱۱-۱۲-۱۳ نومبر کو منعقد ہوا۔ اگرچہ ارکان جنرل کونسل مسلم کانفرنس
کی خواہش تھی۔ کہ شیخ محمد عبداللہ ہی اس دفعہ بھی صدارت کے
فرائض سر انجام دیں۔ لیکن شیر کشمیر نے اس اجارہ داری کو نہایت
ہی نامناسب قرار دے کر صاف جواب دیا۔ اس لئے ممبرانِ کونسل
کی نظر میاں احمد یار خاں۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پر پڑی۔

مسلم کانفرنس کے جلسہ کے بعد شیخ محمد عبداللہ بطرف
پنجاب روانہ ہوئے۔ اور چار مہینے کے لئے وہاں کانگریس اور نیشنلسٹ

رہنمایان ہند سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔

کانگریس نے اس دفعہ اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا تھا اس لئے اسمبلی کا دہلی والا اجلاس نہایت دلچسپ اور ہنگامہ خیز ہونے کی توقع تھی۔ پس شیر کشمیر بھی اس اجلاس کو بغور دیکھنے کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کے دل پر کانگریس اور اس کے رہنماؤں وکارکنوں کی سچائی۔ صدق دلی۔ اور ایثار کا اتنا اثر ہوا۔ کہ آپ نے فیصلہ کر دیا۔ کہ ریاست میں بھی ایک ایسی ہی قوم پرستانہ تنظیم کو قایم کیا جاوے۔ جو کانگریس کے اُصولوں پر کام کرے۔ چنانچہ آپ نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے مکان پر ایک دفعہ پریس کے نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ کشمیر کی فرقہ وارانہ فسادات بہت حد تک پنجاب کے فرقہ پرست لیڈروں کے پروپیگنڈا کا نتیجہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ پنجاب کے لوگ ہمارے اندرونی معاملات میں کوئی دخل نہ دیا کریں۔ میرا آئندہ پروگرام کانگریس کے اُصولوں پر کام کرنا ہوگا۔ اور میں عنقریب وطن جا کر اسی قسم کی ایک انجمن کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہوں۔

آپ مارچ کی آخیر کو جموں روانہ ہوئے۔ جہاں کشمیر لیجسلیٹو اسمبلی کا دوسرا اجلاس ہونے والا تھا۔ اس اجلاس کے ختم ہونے پر ۱۲ اپریل کو بطرف سرینگر روانہ ہوئے۔ جہاں آپ نے پہنچتے ہی اپنے پروگرام کی داغ بیل ڈالنے کے لئے اخبار ہمدرد کو انہی مقاصد کے زیر نظر جاری کرنے کا اعلان کر دیا۔

شیخ محمد عبداللہ کے سیاسی و مذہبی عقائد

شیخ محمد عبداللہ ایک متوسط الحال اور مقابلتاً غریب خاندان میں پیدا ہوئے ہیں آپ نے اپنی فہم و فراست اور بے پناہ ایثار کی بدولت ریاست کشمیر کے اندر انقلاب پیدا کر کے تاریخ کشمیر میں نام پیدا کر لیا۔ ایک ایسی ہستی کے لئے حاسدان۔ اور دشمنوں کا پیدا ہونا قدرتی تھا۔ پبلک کی نگاہ میں آتے ہی آپ کے خلاف زبردست پروپیگنڈا اور منظم سازشیں ہونے لگیں۔ سب سے پہلے آپ کے خلاف ساہوکار ہندو ہوئے۔ اور حکومت کشمیر نے پروپیگنڈا کیا۔ کہتے تھے کہ عبداللہ کی یہ تحریک اُن کو کچلنے اور پامال کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو جو کچھ مہاراج گنج اور وچار ناگ میں ہوا۔ اور اُس کے بعد فروری ۱۹۳۲ء میں علاقہ میرپور کے ہندوؤں کے ساتھ جو کچھ گذری، اِس سے سیدھے سادھے ہندو پروپیگنڈا کرنے والوں کے اثر میں آسانی سے آ گئے۔ اور اِس خیال کو تقویت پہنچی۔ کہ شیخ محمد عبداللہ ہندوؤں کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہے۔

حکومت کشمیر نے ابتدا سے ہی اِس بات کو مشتہر کرنا شروع کر دیا کہ محمد عبداللہ اور اُس کی پارٹی کا مطلب مہاراجہ ہری سنگھ کے راج کو ختم کرنا ہے۔ لندن کے ایک اخبار ڈیلی ہیرلڈ نے یہاں تک بھی کہہ دیا۔ کہ مسلمانان

کشمیر نے ایک پلاٹ بنا رکھا ہے۔ جس سے وہ عنایت اللہ خاں کو جو شاہ امان اللہ خاں کے بعد افغانستان کے تخت پر دو دن بیٹھا تھا۔ تختِ کشمیر پر مہاراجہ ہری سنگھ کی جگہ بٹھانے کے خواہشمند ہیں۔

کچھ عرصہ تحریکِ کشمیر کے کامیابی سے چلنے کے بعد مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی آپ سے مخالف ہوا۔ جس کے سرکردہ میر واعظ یوسف شاہ ہے۔ اُنہوں نے سیاسیات کی بنا پہ نہیں بلکہ مذہبی اختلافات کو اپنے پروپیگنڈا کا آلہ بنایا۔ شیخ محمد عبداللہ کی کوئی بھی سوانح حیات اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اُن کے سیاسی اور مذہبی عقاید کے متعلق تمام باتیں ضبطِ تحریر میں لائی جائیں۔

۱۴ رجولائی ۱۹۳۴ء کے روز انتخابات اسمبلی کی مہم کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ نے شہیلی مینگ کے جلسہ میں بتایا۔ کہ

"میری بد قسمتی اور ملک کی بد قسمتی سے کئی جماعتیں ہماری تحریک کو غلط سمجھ رہی ہیں۔ حکومت سمجھتی ہے۔ کہ میں اُس کے خلاف ہوں اور اُس کو درہم و برہم کرنا چاہتا ہوں۔ ہندوؤں کا ایک حصہ سمجھتا ہے۔ کہ میں اُن کی ہی بنائی عمارتِ زندگی کو گرانا چاہتا ہوں۔ اور مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی ایسے وہم میں مبتلا ہے۔ کہ میں اُن کے وقار و اقتدار کو نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔ خدا گواہ۔ ان میں سے مجھے کوئی بھی خواہش نہیں۔ مجھے صرف یہی تمنا ہے۔ کہ اس ملک کے ہر ایک باشندے کو خوش و خرم دیکھوں۔ اور انہیں انسانی درجہ دلا دوں۔ اس میں مذہب و ملت کی کوئی تمیز نہیں"۔

بچپن سے ہی شیخ محمد عبداللہ کا دل ہموطنوں کی حالتِ زار دیکھ کر

تڑپ اٹھتا تھا۔ اُس کو اپنے وطن کی غلامی ناقابل برداشت معلوم دیتی تھی۔ اِس کو دور کرنے کے لیئے وہ اپنی جانِ عزیز بھی قربان کر دینے کو تیار تھا۔ دوسری گرفتاری سے رہائی کے بعد اس نے لکھا ہے۔ کہ

"مجھے بچپن سے ہی اپنے کشمیری بھائیوں کی مظلومیت پر افسوس ہوتا تھا۔ اور میرا دل خون ہوا جاتا تھا۔ اور اکثر میری معصوم آنکھیں پُر نم ہو جاتیں"۔

"جب میں نے لاہور کی آزاد فضا کی ہوا کھائی۔ اور میں نے اپنے پنجابی بھائیوں کی زندگی سے اپنے کشمیری بھائیوں کی حالت کا موازنہ کیا۔ تو مجھے شرم کے مارے سر جھکا لینا پڑا۔ میں نادم تھا۔ کہ کیا ہم کشمیری بھی انسان کہلانے کے قابل ہیں۔ کیا دنیا کے پردے پر ہم سے زیادہ کوئی غلام ہے"

اُس کو قوم کی حالتِ بد کا احساس تھا۔ جب کالج میں اعلےٰ تعلیم پانے کی غرض سے وہ لاہور اور علیگڑھ چلے گئے۔ تو وہاں کانگریس کا کام دیکھنے کا انہیں موقعہ ملا۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ ہندوستان کو سوراج بھی تنظیم دلا سکتی ہے۔ اور اگر اسی اصول پر کشمیر میں بھی کام شروع کیا جائے۔ تو ہماری نجات حاصل ہو سکتی ہے اُس نے دیکھ لیا تھا۔ کہ فرقہ پرست جماعتیں ہر ملک میں ترقی کے لئے سدِ راہ بنتی ہیں۔ اور ان کی زندگی قدرتی نہیں۔ بلکہ بناوٹی ہوتی ہے۔ اور ان کے اندر کام کرنے والے خود غرض اور نفس پرست ہوا کرتے ہیں۔ کانگریس کے ایثار نے اُس پر کافی اثر ڈالا۔ وہ لکھتا ہے۔

"میری ہمیشہ یہ تمنا رہی۔ کہ اپنے وطنِ عزیز کو تمام دنیا میں بلند دیکھوں میں فرقہ پرستی کو قوم و ملک کے لئے لعنت سمجھتا ہوں۔ اور میں کبھی بھی

فرقہ پرستی کا جرم معاف نہیں کر سکتا۔[1]

کانگریس کے لئے آپ کے دل میں عزت ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب
آپ کو دوسری دفعہ گرفتار کیا گیا۔ اور اب حالاتِ کشمیر اقوامِ عالم کے
سامنے آ چکے تھے۔ لیکن کانگریس نے کشمیر کی کوئی مدد نہ کی تو آپ نے لکھا۔

''بعض تو کہتے ہیں۔ کہ ہم دیسی ریاستوں کے معاملات میں دخل
دینا اپنی کانگریسی پالیسی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں۔ کیا
کانگریس کا نصب العین یہی ہے۔ کہ اگر دیسی ریاستوں میں مسلمانوں پر
ظلم و ستم ڈھائے جائیں۔ تو کانگریس آنکھوں پر پٹی باندھ لے۔''[2]

علیگڑھ میں ہی وہ جان گیا۔ کہ کانگریس تحریک کا اثر اس کے وطن
کی سیاسی فضا پر ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا۔ کہ

''جب تمام ہندوستانی شریکِ حکومت ہونے کے باوجود بھی انگریزوں
سے مطالبہ حقوق پر اڑے ہوئے ہیں۔ کشمیری اپنی غلامی پر کیسے قانع رہ سکتے ہیں۔
بیرونی تحریک آزادی کا کشمیر پر اثر انداز ہو جانا یقینی امر ہے۔''[3]

قلعہ ہاری پربت سے رہائی ملنے کے روز ہی آپ نے مہاراج گنج اور
وچار ناگ کے واقعات پر اظہارِ تاسف کیا۔ اور مسلمانوں کو بتلایا۔ کہ

''کشمیری پنڈت ہمارے بھائی ہیں۔ .... ہم یہ چاہتے
ہیں۔ ہمیں بے شک تکلیف ہو۔ لیکن ہمارے کشمیری پنڈت بھائیوں کو
ہمارے خلاف کوئی وجہ شکایت نہ ہو۔''[4]

دوسری گرفتاری کے وقت جو پیغام شیخ محمد عبداللہ
نے مسلمانوں کے نام بھیجدیا۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ اپنی ہمسایہ قوم سے اگر وہ

---

(۱) شیرِ کشمیر ص ۱۳ (۲) شیر کشمیر صفحہ ۱۴ (۳) شیر کشمیر صفحہ ۱۵
(۴) شیر کشمیر صفحہ ۲۳

ہمیں اشتعال بھی دے۔ تو بھی اُن کے مذہب اور بانیٔ مذہب پر طعن و تشنیع
کی زبان ہرگز نہیں کھولنی چاہیئے۔ (۱)

یہ تو اُن دنوں کی باتیں ہیں۔ جب شیخ محمد عبداللہ کو ابھی
قومی لیڈروں کے زمرے میں وہ درجہ حاصل نہ ہوا تھا جو بعد میں ہوا۔
لیکن آپ جب مسلمانانِ کشمیر کے واحد رہنما تصور کئے جانے لگے۔ اور
آپ کو قوم نے واحد متفقہ طور پر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا صدر منتخب کیا
تو آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا۔

"میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ جیسے ہماری طرف
سے بارہا اعلان کیا گیا ہے۔ تحریک کشمیر فرقہ وارانہ تحریک نہیں ہے
بلکہ سب اقوام کے لوگوں کی شکایات کے ازالہ کے لئے ہے۔ میں اپنے برادرانِ
وطن کو خواہ وہ ہندو ہوں یا سکھ یقین دلاتا ہوں۔ کہ ہم اسی طرح اِن کے
دکھوں کو دور کرنے کے لئے تیار ہیں جس طرح کہ مسلمانوں کے دکھوں۔ ہمارا
ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ صلح کے ساتھ
رہنا نہ سیکھ لینگے۔ اور وہ بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ جب ہم ایک دوسرے کے جائز
حقوق کا پورا احترام کریں۔ اور ایک دوسرے کی تکلیف دور کرنے کی کوشش
کریں"

اخبار وتستا کے نامہ نگار کو عید نمبر کا پیغام دیتے ہوئے۔ آپ
نے فرمایا تھا۔ کہ

"اکثریت فرقہ اقلیت کا اعتماد حاصل کرنے کے بغیر کبھی ترقی
نہیں کر سکتا۔ میرا پورا یقین ہے۔ کہ مسلمان اور پنڈت متفق ہونے کے بغیر کچھ

(۱) شیرِ کشمیر صفحہ ۱۴۲

بھی نہیں کر سکتے۔ ؎

جب ماہ فروری ۱۹۳۲ء کی آخیر پر مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک ضروری اجلاس بلایا گیا۔ اور چند اہم مطالبات منظور کئے جانے کے متعلق حکومت کے تساہل کی وجہ سے ایسا دکھائی دیتا تھا۔ کہ ملک میں پھر ایجی ٹیشن شروع ہو جائے گی۔ تو آپ نے ۲۸ فروری کو ہندوؤں کے نام مفصلہ ذیل پیغام شائع کر دیا۔

"آپ کو شاید علم ہوا ہوگا۔ کہ مسلمانانِ ریاست نے حکومت سے اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے تقریباً آٹھ مہینے سے کمال بے صبری کے ساتھ انتظار کیا۔ اور اپنی فطرتی رواداری سے حکومت کے وعدوں پر اعتبار کیا کہ اب اُن کے ساتھ انصاف ہوا چاہتا ہے۔ دُنیا کو یہ معلوم ہو گیا ہے۔ کہ مسلمانانِ ریاست اپنے جائز حقوق سے تجاوز نہیں چاہتے ہیں۔ بلکہ اُن کے مطالبات ایسے ہیں جس میں ملک کی بہتری مقصود ہے۔ مثلاً ریاست میں مجلس آئین و قوانین کا قیام۔ پریس۔ انجمن اور تقریر کی آزادی۔ زمینداروں کی جائز شکایات کا انسداد۔ رشوت ستانی۔ ریاستی باشندوں کو حصولِ ملازمت میں ہر فرقہ کے جائز حقوق مدنظر رکھتے ہوئے سہولتوں کا بہم پہنچانا۔ حقوقِ ملکیت دیا جانا۔ جاگیرداروں کے مظالم دور کرنا۔ تجارت وغیرہ میں باشندگانِ ریاست کو امداد دینا وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام باتیں ایسی ہیں۔ کہ اس میں کسی فرقہ کے جائز حقوق کو نظر انداز نہیں کیا گیا تھا۔ مگر بدقسمتی سے کافی انتظار کے بعد بھی حکومت نے آنگلنس کمیٹی کی سفارشات اور مہاراجہ بہادر کے صریح احکامات کے باوجود ان شکایات کا

ازالہ نہیں کیا۔ مسلمانان ریاست نے اب مجبور ہوکر ۵ / مارچ کو سرینگر میں آل جموں و کشمیر کی مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ بلائی ہے۔ جس میں حصول مطالبات کے لئے ایک موثر اقدام کا لائحہ عمل زیر غور ہوگا۔ اگر حالات نے حکومت اور مسلمانوں کے مابین کوئی کشمکش پیدا کر دی۔ تو مجھے امید ہے۔ کہ اگر آپ کو مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنے میں کوئی امر مانع بھی ہو۔ تاہم آپ کا رویہ ایسا رہیگا۔ کہ مسلمانوں کو کسی طرح کی بدظنی کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ اور ہمارے اس رشتہ اتحاد میں جس کی بنیاد نہایت عرق ریزی اور عزیزوں کے پاک خون سے رکھی گئی ہے۔ فرق نہ آنے پائے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ ہماری تحریک ہرگز فرقہ وارانہ نہیں ہے۔

ان اعلانات کے ساتھ ساتھ شیخ محمد عبداللہ عملاً بھی دکھا دیتے تھے کہ انہیں ہندوؤں کے ساتھ بھی دلی محبت ہے۔ اور ملکی کاموں میں انسانیت کے اصحاب کو مد نظر رکھتے ہیں۔ جب ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء میں سرینگر کے اندر زبردست فرقہ وارانہ فساد ہوا۔ اور ہندو مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن چکے تھے۔ کسی کشمیری پنڈت گوبند رام کی لڑکی فوت ہوگئی۔ لاش کو تین دن فسادات کی وجہ سے مرگھٹ پر نہ لیجایا سکا۔ پنڈتوں نے شیخ محمد عبداللہ کے پاس جاکر حال سنایا۔ اُس نے خود مرگھٹ پر جاکر لاش کے جلائے جانے کا انتظام کیا۔[۱]

دنیا جانتی ہے۔ کہ اگر شیخ محمد عبداللہ جانفشانی سے کام نہ کرتے تو یہ فسادات نہایت ہی خوفناک ثابت ہوجاتے۔

۱۰ / اکتوبر ۱۹۳۲ء میں مشن ہسپتال سرینگر میں ایک آوارہ مسلمان مریض عورت مرگئی۔ مسلمانوں میں افواہ پھیلی۔ کہ اس عورت کو کسی پنڈت

سر بي جي گلينسي



جو مشهور تحقيقاتي اور آئيني ڪميشنون ڪي ممبر ٿهي

نے دیدہ و دانستہ مار ڈالا۔ شہر میں جوش پھیل گیا۔ اغلب تھا۔ کہ فساد ہو جاتا لیکن شیخ محمد عبداللہ نے حضوری باغ کے اندر مسلمانوں کو جمع کر کے اُن کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔

رعناواری میں ہندو مسلمانوں کے درمیان کئی سالوں سے ایک قطعہ زمین کے متعلق جھگڑا چلا آتا تھا۔ جولائی ۱۹۳۷ء میں اس جھگڑے نے بدترین صورت اختیار کی۔ مقامی آبادی میں ایسا جوش پھیل گیا۔ کہ اتھاپائی تک نوبت پہنچ گئی۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ نے ۲۰ جولائی کے روز رعناواری میں مشتعل مسلمانوں کو سمجھا دیا۔ کہ انہیں اپنے ہمسایہ ہندو بھائیوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا چاہیئے۔ اور کسی طرح بھی اس تھوڑی سی زمین کے لئے فرقہ داری کی آگ نہیں سلگانا چاہیئے۔ چہ جائیکہ اُنہیں بہت طریقہ سے آگ یا بھی جائے" [۱]

اگرچہ یہ اعلانات اور تقریریں اس وسیع پروپگنڈا کے بُرے اثرات کو روکنے کے لئے مکتفی نہ تھیں۔ جو شیر کشمیر کے خلاف مختلف اطراف سے جاری لکھا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی غیر مسلم فرقہ جات کا نمایاں حصہ اُن کے خلوص سے متاثر ہوا۔ کیونکہ اُن کی باتیں دل کی عمیق گہرائیوں سے نکلتی تھیں۔ چنانچہ سکھوں کے نمائندہ ادارہ گوردوارہ کمیٹی نے ایک چٹھی اخبارات میں شائع کر دی جس میں شیر کشمیر کی تحریک اور مطالبات سے سکھوں کی طرف سے ہمدردی کا اظہار کیا گیا تھا۔ [۲]

کئی ہندو تو شیخ محمد عبداللہ کی راست بازی کو

[۱] حقیقت مورخہ ۲ اگست ۱۹۳۷ء [۲] اخبار ریاست ۱۹ (؟) ستمبر ۱۹۳۷ء

وہ کیونکہ اُن پر فریفتہ ہو گئے۔ اور اپنے خانگی امور کے تصفیہ کے لئے بھی
اُن سے صلاح مشورہ لیا کرتے۔ وہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کشمیر کی
عدالت میں کچھ مدت سے ایک مقدمہ کشمیری پنڈتوں کے مشہور ساہوکار
پنڈت سونہ لال کول اور پنڈت جانکی ناتھ بنکی عالیکدل کے درمیان چل رہا تھا۔
ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فریقین کو مشورہ دیا۔ کہ وہ اس مقدمہ میں اپنا
ثالث مقرر کر کے تصفیہ کرا لیں۔ اور فاضل جج نے فریقین کو چند
کشمیری پنڈت لیڈروں کے نام تجویز کئے۔ لیکن فریقین
نے ان کے بجائے شیخ محمد عبداللہ کو اپنا ثالث مقرر کر دیا تھا۔

ان حالات کے درمیان جب ۱۷؍ اگست ۱۹۳۳ء کے
دن حضوری باغ میں شیخ محمد عبداللہ کو سکھوں اور غیر مسلموں کی طرف
سے ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ تو اُنہوں نے جواب میں
سیاسیات کشمیر کے متعلق اپنے دلی جذبات کا آزادانہ طور پر اظہار
کیا۔ یہ جواب شیر کشمیر کی زندگی میں ایک اہم سیاسی دستاویز ہے جس
سے اُن کے پولیٹیکل عقائد واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم اس
جواب کو بعینہٖ یہاں درج کرتے ہیں۔

بزرگو۔ بہنو۔ بھائیو۔ اور عزیزو! آپ کے اس خلوص
اور جذبہ الفت کو دیکھ کر جس کا اظہار آپ نے میری رہائی کے دن
عموماً اور آج کے روز خصوصاً میرا خیر مقدم کرنے میں کیا ہے
میری گردن جھک جاتی ہے۔ میں نہیں جانتا۔ کہ میں اس
عزت افزائی کے قابل تھا یا نہیں۔ جو آپ بھائیو نے مل کر آج یہ

[illegible] ۱۳ اپریل ۱۹۴۷ء

یہ سپاسنامہ پڑھنے سے کی ہے۔ میری عمر میں یقیناً یہ دن ایک یادگار ہوگا۔ جب میرے ہموطن بھائیوں نے بلا امتیاز مذہب و ملت میری ناچیز خدمات کا اعتراف کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔ آپ کی اس قدر شناسی کے لئے تہِ دل سے شکریہ ہزار بار شکریہ

میرا ایمان ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد یہی ہے۔ کہ وہ دنیا میں آ کر تمام مخلوق خدا کو ناگہانی مصائب سے بچائے۔ اِن کے لئے تکلیفیں برداشت کرے۔ اِن کو راحت اور امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کے مواقعات بہم پہنچائے۔ اِن کو مظلومیت سے چھٹکارا دلائے۔ میرے نزدیک نجات کا راستہ ہی یہ ہے۔ کہ دنیا میں بشر کی زندگی جسمانی اور روحانی آزادی کے حاصل کرنے میں صرف ہو۔ ورنہ حیوانوں کی طرح صرف اپنے فائدے کے لئے کوشش کرنا یا اپنا پیٹ بھر کرنا۔ کوئی انسانی فضیلت نہیں پس جو کچھ بھی خدمات میں نے اپنے وطن یا اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لئے انجام دیں۔ وہ میں نے کسی پر احسان نہیں کیا۔ بلکہ وہ صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کا تقاضا تھا۔ نیز جو کچھ ہوتا ہے۔ خدا کی منشا سے ہوتا ہے۔ یہ خدا کا احسان ہے کہ اُس نے مجھ ناچیز ہستی سے کام لیا۔ ورنہ بذات خود ایک ضعیف انسان کی کیا بساط ہے۔ کہ وہ اتنا عظیم الشان کام انجام دے

میرے مظلوم بھائیو! مجھے آپ کے ساتھ پورا اتفاق ہے۔ کہ کچھ حاصل ہونے پر بھی بہت کچھ باقی ہے میری

رائے میں بہت کچھ نہیں ہوا چونکہ ہم صدیوں سے غلام ہیں محکوم ہیں مظلوم ہیں۔ اور اپنے پیدائشی حقوق کو پہچاننا بھی بھول گئے ہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں۔ کہ صرف ان معمولی بندشوں کے ہٹ جانے سے جو خواہ مخواہ عاید کرکے ہمارے آقاؤں نے ہماری زندگیوں کو تلخ بنا رکھا تھا ہم آزاد ہو گئے ہیں۔ ہم نے جو کچھ کیا میری رائے میں یہ سفر کی ابتدا ہے۔ حقیقی آزادی ابھی کوسوں دور ہے

اے میرے نوجوان دوستو! کیا اسی کو دولت سے مالامال ہونا کہتے ہیں۔ کہ شہر میں آپ ہزاروں کی تعداد میں بے روزگار دربدر پھر رہے ہوں۔ حالانکہ آپ میں سے سینکڑوں نے اپنی قیمتی زندگیاں اور والدین کی گاڑھی کمائی۔ لمبی چوڑی ڈگریاں حاصل کرنے میں ضائع کر دیں۔ اور گاؤں میں بیچارے لاکھوں کسان بیکار فاقہ کشی کے دن گذار رہے ہیں۔ اگرچہ وہ کوئی بھی مشقت کرنے سے عاری نہیں وہ ملک ہی کیا جس میں بیکاری اور بے روزگاری کا یہ حال ہو۔ وہ آزادی ہی کونسی جس میں لوگ نان شبینہ کو محتاج ہوں۔

اے ستم رسیدہ کشمیریو! وجہ یہ نہیں۔ کہ تمہاری دھرتی اتنی غریب اور محتاج ہے۔ کہ تمہیں روٹی مہیا نہیں کر سکتی۔ بفضل خدا ہمیں فخر ہے۔ کہ وادی کشمیر اتنی پوشیدہ دولت سے پر ہے۔ کہ اس کے پہاڑوں سے نکلنے والی معدنیات۔ اس کے جنگلوں سے پیدا ہونے والی اشیاء اس کے پانی سے چلنے والے آلہ جات سے دنیا سرافراز ہو سکتی ہے ہمارے ہی اپنے بزرگوں نے غلط نہیں کہا ہے۔ کہ اس میں کوہ کا گوند گرتا ہے

ہے۔ اس کے چپہ چپہ میں خزانے ہیں۔ لیکن کیا کریں۔ ہمارے دست و پا جکڑے ہوئے
ہیں۔ جو اس وقت ہماری قسمت کے بنانے اور بگاڑنے والے ہیں۔ انہیں
توفیق نہیں۔ کہ ہمارے حال زار پر رحم کھا کر ہماری دستگیری کریں
اے میرے عالم فاضل دوستو۔ کیا اسی کا نام آزادی ہے۔ کہ اس کشمیر
کے باشندے جو زمانہ سلف میں ودیا یعنی علم کا مخزن سمجھا جاتا تھا جس نے علم و ہنر
کی بدولت ہر چہار اطراف میں اپنی فتوحات کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا
جہاں کی عورت کو مشہور عالم فلاسفر سوامی شنکر آچاریہ نے علمی بحث میں ثالث
بنا لیا تھا۔ وہاں کے رہنے والے ۹۰ فیصدی سے زیادہ ایسے ہوں جو حروف
بھی نہ پہچان سکیں۔

مفلوک الحال کشمیریو! کیا ہوا۔ اس صنعت و حرفت اور
دستکاری کا۔ جو آج سے صرف دو سو سال پیشتر اقوام عالم کے لئے باعث
رشک بنی ہوئی تھی۔ اور جس کی بدولت کشمیر کے لاکھوں لوگ اپنا گذارہ
کرتے تھے۔ کہاں ہے۔ وہ شالی جس نے کشمیر کا نام ولائیت میں مشہور
کر رکھا تھا۔ اور جسکو سلاطین یورپ زیب تن کرنا فخر سمجھتے تھے۔

عزیز ہم وطنو! یہ ایک پُردرد داستان ہے۔ کہاں
تک بیان کریں۔ اپنی موجودہ حالت کو دیکھ کر میرا دل اُس ماہی بے آب
کی طرح تڑپتا ہے جو دریائے سندھ کے سرد پانی سے نکال کر دہکتی ہوئی
آگ میں ڈال دی جائے یقین جانیے۔ کہ جب تک آپکے اس ناچیز
خادم کے دم میں دم ہے جب تک زیست قائم ہے۔ خدا کا آسرا ہے
اور آپ کی مدد شامل حال۔ یہ بندہ اپنی ناچیز کوششوں سے باز نہ آئیگا

میدان میں قدم پیچھے نہ ہٹائیگا۔ اور اگر خدا نے چاہا۔ کہ آزادی کی کشمکش
میں اپنی جانِ عزیز قربان کرنے سے دریغ نہ کریگا۔ میرے ہموطنو! مجھے
زیادہ خوشی آج اس بات سے ہوئی ہے۔ کہ آپ نے مدت کے بعد میرے
دل کی ایک بات کو صحیح طور پر پہچان لیا ہے۔ کہ میری روح جہاں مفادِ ملی
کے لئے بیقرار ہے۔ وہاں ہندو مسلم اتحاد کے لئے بھی مضطرب ہے۔
میں مسلمان ہوں۔ اور اسلام کو ہی روحانی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔
اسلام مجھے سکھاتا ہے۔ کہ اپنے ہموطن بھائیوں کے جائز حقوق کے
لئے اسی طرح لڑوں۔ جسطرح ہم مذہبوں کے لئے۔ اپنی کشمیری ہندو بہنوں
کی عزت و آبرو اور ننگ و ناموس بچانے کے لئے اسی طرح خون
بہادوں۔ جس طرح مسلم عورتوں کے لئے۔ ان کے مال و جان کی حفاظت
کرنا اپنا پرم دھرم سمجھوں۔ غرضیکہ دنیاوی تعلقات میں جہاں تک وطن کا
تعلق ہے۔ مسلم اور غیر مسلم کو ایک آنکھ سے دیکھوں۔ یہ میری بدقسمتی سمجھئے
یا اس دیش کے دُربھاگیہ۔ بعض ہندو اور مسلمان خود غرضی حسد یا
کسی خاص غرض سے۔ مجھے اِن خیالات کا ذمہ وار ٹھہراتے ہیں
جن کا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جن کا اظہار میں نے
آجتک کبھی نہ کیا۔ اور جو میرے دل میں کبھی نہیں آئے۔ اور اسی
طرح میرے کئی سادہ لوح ہموطن بھائیونکو میری نسبت بدظن کرادیتے
ہیں۔ میں حیران ہوں۔ کہ اس کا کیا علاج کروں۔ میں خود مسلموں
اور غیر مسلموں کو بھائی بھائی کی طرح آپس میں برتاؤ کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا
ہوں۔ اور انشاءاللہ اس کام کے لئے پوری پوری کوشش کرونگا۔ لیکن

میں آپ سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ جب تک آپ کوئی بات کانوں سے نہ سُنیں۔ آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ اُس پر اعتبار کر کے مجھے ناحق مورد الزام نہ گردانا جائے "

پیارے بھائیو! میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔ میں پھر ایک دفعہ اس اظہار محبت اور عزت افزائی کے لئے آپ کا شکریہ بجا لاتا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں۔ کہ آپ جہاں بھی ہوں۔ نوکر ہوں یا آزاد۔ طالب علم ہوں یا برسر روزگار۔ سوار ہوں۔ یا پیدل۔ سوتے ہوں یا جاگتے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ان لوں کی آزادی کا گیت گاتے رہیں۔ اور آپ کا نعرہ مستانہ ہو۔ دو آزادی زندہ باد"

فرنچائز کمیٹی کی رپورٹ پر جو بیان شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹ر جنوری ۱۹۳۲ء کو شائع کیا تھا۔ اُس کی آخر میں درج تھا۔

"جب سے مسلمانوں نے وطن عزیز کی قسمت کا کام شروع کیا ہے۔ اسی وقت سے بعض خود غرض پارٹیوں نے ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اُس کے خلاف نازیبا پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے۔ وقت آپہنچا ہے۔ کہ ہم تمام خوف اور باہمی شکوک اور بے اعتمادی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے۔ اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کریں۔ جس نے ہمیں ایک دوسرے سے اس قدر دور پھینک دیا ہے۔ گذشتہ تین سال میں آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا۔ کہ مسلمانوں کے واجبی اور پیدائشی حقوق کے ساتھ خواہ کتنا بھی ملعب کیا جائے وہ اب دبائے نہیں جا سکتے ہیں۔ اور دنیا کی کوئی طاقت جمہوریت

کی بدبختی ہی کی لہر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے خواہ آپ اس میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ کشمیر مستقبل میں ایسے کانسٹی ٹیوشن کو حاصل کر کے رہیگا۔ اور حکومت کا بیشتر حصہ عوام کے ہاتھوں میں ہوگا۔ اور حکام کو مطلق العنانی سے دست بردار ہونا پڑے گا کیونکہ زمانے کا اقتضا یہی ہے۔ پھر کیا یہ مناسب نہ ہوگا۔ کہ آپ اپنے فائدہ کیلئے اور اپنے وطن عزیز کی خاطر بجائے حسب سابق مسلمانوں کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں۔ ان کے دوش بدوش ہو کر وطن کو آزاد کرانے کی جدوجہد میں شریک ہو جائیں بحیثیت خیرخواہ ملک اور اپنی ہمسایہ اقوام کے خیرخواہ ہونے کے میں یہ درد ... اپیل کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کی طرف سے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ وہ آپ کو وہی تحفظات پاسنگ اور آئین میں دیگر مراعات دینے کے لئے تیار ہیں۔ جو ہندوستان کی اکثریت اقلیتوں کو دے رہی ہے۔ ... ممکن ہے کہ ہم زیادہ فراخ دل ثابت ہوں۔ آؤ گذشتہ کو صلواۃ کہدیں۔ حکومت کشمیر کی تشکیل کردہ اسمبلی سے کسی قوم کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔ لہذا اگر مسلمان ڈٹ کر انصاف کا مطالبہ کریں۔ تو آپ کو غلطی نہیں۔ بلکہ صحیح وطن پرستی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے۔ کہ تردیدی بیانات شایع کئے جائیں۔ بلکہ ذہنیت میں تبدیلی ہو جائے۔ اور دلوں میں صلح و آشتی کے جذبات موجزن ہوں

ان اشتہاروں کا منہ بند کرنے کے لئے جو ان غیر مبہم بیانات کے شایع ہونے پر بھی شیخ محمد عبداللہ کو فرقہ پرست قرار دیتے تھے، انعام

حسب ذیل کے طور پر شیر کشمیر نے اخبار ٹربیون کے نمائندہ کو جموں میں ۲ فروری ۱۹۳۷ء کے روز ایک سپیشل انٹرویو کے دوران میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے بتایا:

"اگر کشمیر کی غیر مسلم اقلیتیں مسلمانوں کے ساتھ وطن کی آزادی کے لئے دوش بدوش کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تو مسلمان برطانوی ہندوستان کی اکثریت فرقہ کی نسبت کشمیر کی اقلیتوں کو لیجسلیٹو اسمبلی کے مجوزہ آئین میں جائز تحفظات اور ویٹنگ دینے میں زیادہ فراخ دل ثابت ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ ریاست کی تمام آمدنی کو باشندگان ریاست کی بہتری پر ہی خرچ کیا جائے۔ میں تحریک رعایا ریاست کا حامی ہوں۔ آئین سازی میں میں مخلوط طریق انتخاب کو ترجیح دیتا ہوں۔ اگر ہندو حکومت کشمیر کی سرپرستی کو جمہوریت کے اصولوں پر چلانے کی تحریک کی مخالفت چھوڑ دیں۔ میری انتہائی خواہش یہ ہے۔ کہ اس ملک کے لوگ بلا امتیاز مذہب ملت مادر وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد کریں۔ میں اس حالت کو دیکھنے کے لئے گھلا جا رہا ہوں ...... میں اور میرے رفقاء ہاتھ دوستانہ پھیلانے کو تیار ہیں لیکن۔ ہندو بھائی اس کا مناسب جواب دیں۔ اگر ہندو چاہتے ہیں۔ میں تحفظات اور ویٹنگ کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو کو اپنا واحد ثالث مقرر کر سکنے کو تیار ہوں۔ جس کا فیصلہ ہر ایک فرقہ کو لازمی قبول کرنا ہوگا ہندو اور مسلمانوں کے نمائندے اپنے اپنے معاملہ کو پنڈت نہرو کے سامنے رکھ کر تمام حالات بتا دیں۔ اور پھر قسم کھالیں کہ دونوں پارٹیوں کو سننے کے بعد جو فیصلہ وہ دیتے ہیں۔ اس پر پارٹیاں کاربند رہیں گی" ۵۱

اِس بیان سے ہندوؤں کے اندر ایک جماعت نمایاں طور پر پیدا ہوگئی۔ جس نے شیخ محمد عبد اللہ کو ریاست کا واحد اور صحیح رہنما مان لیا۔ جب اسمبلی کا انتخاب ختم ہوا۔ اور کامیاب ممبران کے اسمائے گرامی شایع ہوئے۔ تو آپ نے اُن کے نام ذیل کا مکتوب ارسال کیا:۔

ہمادرِ وطن کے ایک ادنےٰ خادم کی حیثیت سے میں آپ کو انتخاب میں کامیابی کے لئے ایک مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ کو جو اُلفت اہالیانِ کشمیر سے ہے۔ اُس کو دیکھکر مجھے بھروسہ ہے۔ کہ اسمبلی ہماری ان خواہشات اور اِس خواب کو پورا کرے گی۔ جو ہمارے دلوں میں آج سے بہت عرصہ پہلے جاگزیں ہیں۔ کئی مسائل کا حل کرتے ہوئے ہم نے بحیثیت افرادِ مختلف فرقوں کے ماضی میں غلطیاں کی ہوں۔ ایک دوسرے کے متعلق پبلک لائف میں غلط فہمی پیدا ہوئی ہو۔ اور اپنے مخالفوں کے خیالات کو کوئی وقعت نہ دی ہو۔ لیکن مجھے امید ہے۔ کہ وقت آ گیا ہے۔ کہ ہمیں ماضی کو بھول جانا چاہیئے۔ اور آئیندہ کیلئے خلوصِ دل سے اپنے شاندار مستقبل پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

مجھے افسوس ہے۔ کہ کئی ایسی باتوں کی وجہ سے جو میرے بس میں نہ تھیں۔ میں اور میرے چند رفقاء آپ کے درمیان میں اسمبلی میں نہ ہونگے لیکن مجھے پوری امید ہے۔ کہ آپ جیسے تجربہ کار احباب کی حاضری میں جن کو دنیا کا کافی علم ہے۔ ملک آپ سے ہماری نسبت زیادہ اُمید رکھ سکتا ہے۔

اب جبکہ تمام فرقوں کے نمائیندگان کو اسمبلی میں ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر مل کر اپنے اپنے خیالات کو اظہار کا موقعہ ملا ہے۔ مجھے اُمید

ہے۔ کہ نیشنلزم کی سپرٹ پیدا ہو جائیگی۔ اور آپ اور آپ کے قابلِ قدر رفقاء کسی فرقہ یا مذہب کی تمیز سے بالاتر رہ کر ملکی مفاد کو اُس آئینی جدوجہد میں جو آپ کے سامنے ہے۔ سب سے آگے رکھیں گے میں بھی با ہر اسی کام کے لئے اپنی تمام تر طاقتیں اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرونگا۔ ؎ ۱

مندرجہ بالا سطور سے صاف عیاں ہے۔ کہ شیخ محمد عبداللہ اوائلِ عمر سے ہی قوم پرست واقع ہوئے ہیں۔ اُنہیں اگر فرقہ پرست بن کر کچھ مدت کے لئے کشمیر میں کام کرنا پڑا۔ تو اُس کی وجہ یہ تھی۔ کہ ہندو برسرِ اقتدار ہونے کی وجہ سے کسی مُسلم کو آج سے چار سال پہلے رہنما ماننا گوارا نہ کرتے تھے۔ اور مسلمان بھی سیاسی تحریک کی غرض و غایت سے جلد ہی واقف نہ ہو سکتے تھے جتنا کہ "اسلام خطرے میں" اور "مسلمان کچلے گئے" کے جذباتی نعروں سے اُٹھائے جا سکتے تھے۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ کب تک اپنے دل کے قدرتی جذبات کو اِن بناوٹی طریقوں سے دبا سکتے تھے وہ جانتے تھے کہ فرقہ پرستی اُن کی طبیعت کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ جب ٹربیون کے نمائندہ نے اُن سے ۲۱ر فروری ۱۹۳۴ء کے دِن جموں میں دریافت کیا۔ کہ پچھلے سال اُن کے خیالات قوم پرستانہ نہ تھے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ

"نہیں میرے دوست۔ ایسا نہیں ہے۔ میرے خیالات میں کوئی ایسا تغیر واقع نہ ہوا۔ صرف میرے خلاف زبردست اور مکروہ پروپیگنڈا جاری ہے۔ لیکن خدا نے چاہا میرے متعلق بہت کچھ جلدی لوز روشن میں آئیگا۔"

۱۹۳۵ء کی ابتدا میں جب آپ دہلی لیجسلیٹو اسمبلی کا

اجلاس دیکھنے کے لئے چلے گئے اور وہاں قوم پرست ہندو مسلمان رہنماؤں سے ملے۔ تو آپ سے رہا نہ گیا۔ اور آپ نے ڈاکٹر کچلو کے مکان پر وہ بیان دیا جس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

کشمیر واپس آتے ہی آپ نے اخبار ہمدرد کو جاری کرنے کے سلسلہ میں مسلمان دوستوں کے نام ایک چٹھی لکھی جس میں درج ہے۔ کہ

"آپ کو معلوم ہوا ہوگا۔ کہ میں سرینگر سے ایک باتصویر ہفت روزہ اخبار "ہمدرد" عنقریب جاری کرنے والا ہوں اس اخبار کے جاری کرنے سے میرا مدعا ملک میں صحیح قوم پرستی کی تحریک کی داغ بیل ڈالنا ہے۔ جس سے تمام فرقہ جات و طبقہ جات جو اس ملک میں آباد ہیں۔ کے جائز حقوق کی حفاظت ہو سکے۔

یہ بات آپ سے پوشیدہ نہیں۔ کہ میں نے اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ ملک و ملت کی خدمت سمجھ رکھا ہے۔ اور جہاں بھی میں ہونگا۔ میری ہر ایک حرکت اس مقصد وحید کو حاصل کرنے کے لئے ہوگی۔ اٹھتے۔ بیٹھتے۔ سوتے۔ جاگتے۔ اس ملک کے باشندے مہذب و متمدن ممالک کے لوگوں کی طرح خوش و خرم زندگی بسر کرنے کے وسایل کب حاصل کر لیں۔ ایسا کرنے کے لئے مجھے جو بھی قدم اٹھانا پڑے۔ پیچھے نہ ہٹتا ہوں۔ اور نہ ہٹونگا۔ جو قربانی دینی پڑیگی۔ دینے سے نہ جھجکونگا۔

آپ جانتے ہیں۔ کہ جب تحریک کشمیر شروع کی گئی تھی اس وقت مسلمانوں کی حالت اس ملک میں بزبان سر البینز بانجی بے زبان

بھیڑ بکریوں کی سی تھی۔ اگرچہ اُن کی آبادی وادیٔ کشمیر میں ۹۴ فیصدی
سے کم نہ تھی۔ لیکن اِن کی حالت ناگفتنی تھی۔ ہم نے اپنی آواز کو اٹھا کر
اقوامِ عالم کو اپنی مظلومیت سے آگاہ کر دیا۔ ہم نے بے شمار قربانیاں دے کر
قوم کو بیدار کر دیا۔ ہماری آواز دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ اور
اِس سے نہ صرف ہمارے حاکم بلکہ برادرانِ وطن بھی متاثر ہوئے۔ اس
کے عوض ہمیں چند حقوق حاصل ہوئے۔ جن میں سے گلینسی کمیشن کی سفارشات
پریس، اور پلیٹ فارم کی آزادی۔ انجمن ہا بنانے کی آزادی۔ اور
لیجسلیٹو اسمبلی کا قیام قابلِ ذکر ہیں۔

آپ پر یہ بخوبی روشن ہے۔۔۔۔۔ کہ یہ تحریکِ حریت کی ابتدا تھی۔ ابھی
مقصدِ وحید طے کرنے تک منزل بہت دور ہے۔ جس کو طے کرنے کیلئے
ہمیں آراستہ ہونا لازمی ہے۔ بہت غور و خوض کے بعد میں اس نتیجہ پر
پہنچا ہوں۔ کہ اس راہ پر چلنے کے لئے جو اب ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں سب سے پہلے ملک
میں رہنے والی تمام جماعتوں اور فرقوں کے اندر حُبِ وطن کے جذبات کو ابھارنا ہے
مسلمانوں نے دکھا دیا کہ اکثریت کو ہمیشہ کیلئے دبایا نہیں جا سکتا۔ انہیں مظلوم
رکھ کر حکومت اور دوسرے فرقے چین نہیں لے سکتے۔ ان کے تعاون کے بغیر کوئی
ملکی مقصد حل نہیں ہو سکتا۔ لیکن مسلمانوں کو اب اپنی ذمہ داری بھی محسوس کرنی چاہیئے
کہ وہ اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی اقلیت کا اعتماد حاصل کر لیں۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ ہندوستان
میں مسلمان کانگریس پر یہی الزام لگاتے ہیں۔ کہ ہندو کانگریس مسلمانوں کی خوشنودی حاصل نہیں
کر سکے ہیں۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا۔ تب تک ہندوستان کو آزادی نہ ملیگی۔ میری دانست میں ہمیں اس
الزام سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو مسائل اب ہمارے درپیش ہیں۔ ان میں اگر ہم اقلیت کا

اعتماد حاصل نہیں کر سکتے۔ تو آگے بڑھنا مشکل ہوگا۔ آپ کو معلوم ہی ہوگا۔ کہ مصطفےٰ کمال اور
غازی زغلول نے ترک اور مصر میں تحریک حریت کی کامیابی کا دارومدار اسی بات پر رکھ دیا تھا۔ کہ
اُن ملکوں کی مسلم اکثریتیں غیر مسلم اقلیتوں کا اعتماد حاصل کر سکیں۔

مندرجہ بالا سطور لکھنے کی ضرورت مجھے اس لیئے پڑی ہے۔ تاکہ آپ پر واضح ہو۔ کہ میں نے جو یہ
قدم اٹھایا ہے۔ اس میں بھی مسلمانوں کی اور پیارے وطن کی بہتری مقصود ہے۔ میں ملک و ملت کو کبھی دھوکا نہیں
دے سکتا۔ اس لیئے جب میرا ضمیر اور میرا ذہن مجھے بتا رہے ہیں۔ کہ اب قوم پرستی سے ملک و ملت فائدہ مند
ہو سکتے ہیں۔ میں اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔

مجھے اس بات سے بھی انتہائی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ کہ اس پاک مشن کو کامیاب
بنانے کیلیئے میرے قابلِ فخر ہم وطن بھائی پنڈت پریم ناتھ بزاز نے میرا ساتھ دیا ہے۔ پنڈت جی کا
اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کا خلوص جتنا مجھے معلوم ہے۔ اور کسی کو نہیں۔ ہم نے
سکول اور کالج میں اکٹھے پڑھا ہے۔ خوش قسمتی سے اب مجھے پنڈت جی کے ساتھ دو سال دوش بدوش
کام کرتے ہوئے گئے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھر بھی تامل نہیں۔ کہ اہالیان ریاست کو آپ کی ذات پر
جتنا بھی ناز ہو۔ کم ہے۔ پنڈت جی کی غیر متعصبانہ اور بے لوث طبیعت کا اس سے زیادہ ثبوت ہو سکتا ہے
کہ گلینسی کمیشن میں باوجود اس امر کے کہ آپ کے مخالفین نے آپ پر کمینہ اور نہایت ہی گندے حملے کیئے۔ آپ نے
تمام فرقوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیئے جانے کی آخری دم تک سفارش کی۔ آپ نے ایسا کرنے میں جو قربانی دی۔ وہ
دنیا پر روشن ہے۔ آپ کی زندگی پر حملے ہوئے۔ لیکن آپ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی۔ اب
وہی دشمن آپ کی اصول پرستی کی داد دے رہے ہیں۔

ان حالات میں یہ بات قوم اور ملک کیلیئے باعث خوشی ہے۔ کہ ایک ایسی تحریک کی داغ بیل
ڈالی جا رہی ہے۔ جس سے وطن کے تمام باشندے ترقی کر سکیں۔ اور ملک سیاسی، مجلسی اور اقتصادی طور آزاد ہو۔
مجھے قوی امید ہے۔ کہ آپ اس تحریک کی ہر طرح سے امداد فرمائینگے۔ اور اب ہمدردوں کو کامیاب بنانے کیلیئے۔ اپنا عطیہ جلدی

ارسال فرمائیں گے۔ مشکور رہونگا۔"

شیخ محمد عبداللہ کے سیاسی مسلک کی نسبت لکھتے ہوئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانِ کشمیر کے متعلق اُن کے خیالات کا بھی کچھ ذکر کیا جائے۔ کیونکہ جیسا اوپر بتایا گیا ہے۔ شیر کشمیر پر ایک یہ الزام بھی عاید کیا جاتا ہے۔ کہ اُن کا مقصد "تختِ کشمیر کے خلاف بھی سازش کرنے کا ہے۔ علیحدہ ازیں پہلی رہائی پانے کے بعد جامع مسجد کے اندر آپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا

"میں سب مسلمانوں کو جو اس وقت خانۂ خدا میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس قرآن شریف کا (ہاتھ میں قرآن اٹھا کر) واسطہ دیکر دریافت کرتا ہوں۔ کیا میں نے خفیہ یا علانیہ۔ کنایۃً یا اشارۃً کبھی مہاراجہ بہادر یا حکومتِ کشمیر کا تختہ الٹنے کا مشورہ دیا۔[۱]

جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے پہلے اجلاس کے خطبۂ صدارت میں آپ نے بتایا تھا۔ کہ " ہمیں مہاراجہ بہادر کی ذات سے ہرگز کوئی عناد نہیں۔ بلکہ ہم پوری طرح اُن کے فرمانبردار ہیں۔ ہمارا حقوق کا مطالبہ ہرگز حکومت کے خلاف نہیں کہلایا جا سکتا تمام متمدن ممالک میں بادشاہ اپنی مرضی سے رعایا کو اُن کے حقوق دے دیتے ہیں۔ اور رعایا اپنے حقوق مانگ رہی ہے۔ مگر باوجود اس کے اُن کی رعایا اُن کی کامل فرمانبردار کہلاتی ہے۔ اور اسمیں شک نہیں۔ کہ وہ فی الواقعہ وفادار ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ سچی وفاداری اسی کا نام ہے۔ کہ حاکم وقت کو لوگوں کی اُمنگوں اور خواہشوں سے واقف کیا جائے۔ کیونکہ حکومت کا منصب رعایا کی بہبودی کیلئے سامان مہیا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ نہ کہ اُنکی خواہشات کو پامال کرنے کے لئے۔"

شیخ محمد عبداللہ آج تک گذشتہ کئی سال سے مہاراجہ بہادر کی سالگرہ پر مبارکباد کے تار ارسال کرتے ہیں۔ نہ آجتک آپ نے اپنی تقریروں یا تحریروں میں حکمرانِ ریاست کی ذات کے خلاف زبان پر ایک حرف تک نہیں لایا۔ آپ کی رائے میں سیاسی جدوجہد مہاراجہ بہادر کی پوری وفاداری کے ہوتے ہوئے بھی جاری رکھی جا سکتی ہے۔

[۱] شیر کشمیر صفحہ ۶۳

ہم نے دیکھ لیا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ اور میر واعظ یوسف شاہ کے اختلافات
کی اصلی وجوہات کیا تھیں۔ لیکن میر واعظ نے اِن کو پس پردہ رکھ کر پروپیگنڈا شروع کیا۔
کہ شیخ محمد عبداللہ احمدی ہے۔ اور وہ احمدیوں کو ہر جائز و ناجائز طریقہ سے امداد دے کر
کشمیری مسلمانوں کو احمدی بنانا چاہتا ہے۔ اس پروپیگنڈا کی غرض و غایت یہ تھی۔ کہ
کشمیری مسلمان جو حنفی عقیدہ کے پابند ہیں۔ اور احمدیوں کے ساتھ کئی اہم مذہبی عقائد کے متعلق
اختلاف رکھتے ہیں۔ شیر کشمیر سے بدظن ہو جائیں۔ لیکن اس پروپیگنڈا کا متوقع اثر نہ ہوا
بلکہ سادہ لوح میر واعظ ابھی اس پالیسی سے احمدیوں کا آلہ کار بن گیا۔ کیونکہ کچھ شیخ محمد عبداللہ
کے ساتھ محبت کی وجہ سے کچھ اس راز جوئی کے شوق سے کہ احمدیت ہوتی کیا ہے۔ جس کے
خلاف میر واعظ اتنا پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ احمدی اتنے غیر ہر دلعزیز نہ رہے جتنے کہ وہ پہلے
...... تھے۔ کہ جب اسمبلی کے انتخابات کے لئے امیدواروں کو نامزد کیا گیا۔ تو شیخ محمد
عبداللہ نے مولوی عبداللہ وکیل کو سرینگر کے وارڈ نمبر ۲ سے امیدوار ٹھہرا کر کامیاب
کر دیا۔ حالانکہ میر واعظ یوسف شاہ کا رسوخ اقتدار اس وارڈ میں سب سے زیادہ ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔ اور کیا وہ احمدی ہے۔ یہ جاننے
کے لئے ہمیں اُن کے اعلانات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ جو اُنہوں نے کسی بھری مجلس میں
کئے ہوں۔ یا جو ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک انسان کا آج تک وہی مذہب
مانا گیا ہے۔ جس کا اُس نے ببانگ دہل اعلان کر دیا ہو۔

اُوپر بتایا گیا ہے۔ کہ ایک پبلک جلسہ میں شیر کشمیر نے حاضرین کو بتایا
تھا۔ کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اسلام کو ہی اپنی روحانی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتا ہوں"
جب میر واعظ نے آپ کے خلاف احمدیت کا الزام لگا کر سنہ ۱۹۳۳ء
کے آغاز میں جامع مسجد کے اندر زبردست پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ تو شیخ محمد عبداللہ

بیرون ریاست چلے گئے تھے۔ آپ کو جب یہ خبر ملی۔ تو آپ نے ۶ اپریل کے روز جموں میں شالہ مار باغ کے اندر نماز عید کے بعد مسلمانوں کے عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے۔ اعلان کر دیا۔ کہ

"وہ اشخاص صریح جھوٹ کہتے ہیں جو مجھے احمدیت اور مرزائیت کی تہمت دے رہے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ اپنے عقائد کا اعلان کیا ہے۔ اور آج میں پھر اپنے عقائد کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین سمجھتا ہوں۔ اور آپ کی بعثت کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور میں ہر مدعی نبوت کو مسلمان نہیں سمجھتا" [۱]

شیخ محمد عبد اللہ کی چوتھی گرفتاری میر واعظ یوسف شاہ کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے پیدا شدہ نتائج کی بنا پر عمل میں لائی گئی تھی۔ آپ رہا ہونے کے بعد پنجاب چلے گئے۔ تو وہاں آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں دلچسپی لینے والے غیر احمدی مسلمانوں نے آپ کے مذہبی عقائد کے متعلق ایک ڈیکلریشن لیا۔ اس کے بعد مفصلہ ذیل اخباری بیان شائع کر دیا گیا:۔

"آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ایک کھلے اجلاس میں۔ جو ۶ نومبر کو امرتسر میں منعقد ہوا۔ کشمیر کے شیخ محمد عبد اللہ نے اعلان کیا۔ کہ نہ تو وہ قادیاں کا قادیانی ہے۔ نہ (لاہوری مرزائی) اور وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کو جھوٹا نبی تصور کرنے میں متفق ہیں۔ اس صاف اور غیر مبہم اعلان کے بعد ہم اس کو سچا مسلمان اور اپنے ملک کا وفادار خادم مانتے ہیں۔ اس لئے ہم اس تمام پروپیگنڈا کی مذمت

(۱) اخبار صداقت ۱۷ اپریل ۱۹۳۳ء

کرتے ہیں۔ جو اُس کے یا اُس کی تنظیم کے خلاف اِس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ قادیانی ہے۔ [۱]

اِس بیان پر سر محمد اقبال۔ خان بہادر رحیم بخش۔ شیخ صادق حسن ایم۔ ایل۔ اے۔ سید محسن شاہ ایڈووکیٹ۔ میاں برکت علی ایڈووکیٹ۔ غلام رسول بار ایٹ لا۔ خانصاحب فیروز دین آنریری مجسٹریٹ امرتسر۔ خانصاحب حسام الدین آنریری مجسٹریٹ امرتسر۔ میاں حفیظ اللہ آنریری مجسٹریٹ امرتسر خواجہ غلام صادق ظہور الدین۔ دین پال میونسپل کمشنر امرتسر۔ سراج الدین احمد ایڈووکیٹ امرتسر۔ اور محمد عبداللہ کے دستخط ثبت تھے۔

اِس اعلان سے وہ دل شبہات سے پاک ہو گئے۔ جو پروپیگنڈا کا شکار ہو کر ایمانداری سے شیخ محمد عبداللہ کو احمدی سمجھتے تھے۔ لیکن میر واعظ یوسف شاہ کے لئے یہ ناکتفی ثابت ہوا۔ اُنہوں نے اپنے پروپیگنڈا کو جاری رکھا۔ اور اب بھی وہ شیخ محمد عبداللہ کو احمدی اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو مرزائی جماعت کہتے رہتے ہیں۔

تمام شد

[۱] اخبار ٹریبون مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۲ء

کشمیر پبلشنگ کمپنی کی مطبوعات

سوانح حیات سیر کشمیر

اس کمپنی کا پہلا کارنامہ ہے۔

تاریخ مشاہیر کشمیر

کمپنی کی تصنیفات کا دوسرا نمبر ہوگی جسمیں کشمیر کے تمام جدید وقدیم رہنماؤں کے حالات زندگی ہوں گے

تاریخ تحریک کشمیر

تیسری کتاب ہے۔ جو موجودہ تحریک کے چہارسالہ حالات پر مشتمل ہوگی۔ یہ دونو کتابیں بھی

فخر وطن جناب پنڈت پریم ناتھ صاحب بزاز بی اے

کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ ہر ایک کتاب مناسب موزوں ویر تصاویر سے مزین ہوگی

ناظرین انتظار فرمائیں۔ (مینجر)

ھمدرد پرنٹنگ ورکس

سرینگر کشمیر

میں

پنڈت پریم ناتھ ٹھویہامہ کے اہتمام سے چھپکر

کشمیر پبلشنگ کمپنی

نے شائع کی

(کندن لال کاتب)